ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

دیکھ لیجیے میرے تین بیٹے ہیں۔ دو صلبی، خالد و راشد اور ایک دینی نسیم۔ میں نے ان تینوں کیلئے جامعۃ الفلاح کا انتخاب کیا ہے۔

(مولانا سید حامد علی رحمۃ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد ۱-۸ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ جون ۱۹۹۳ء شمارہ ۱۴-۶

بدل اشتراک	
سالانہ زر تعاون	۵۰ روپے
طلبہ کیلئے	۴۰ ″ ″
خصوصی زر تعاون	۱۰۰ ″ ″
اعزازی ″	۱۰۰۰ ″ ″
غیر ممالک سے زر تعاون	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ	۵ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا چندہ جلد روانہ فرمائیں۔

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

مدیر

محمد اسمعیل فلاحی

معاون مدیر

عبد البر اثری فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

فون ۶۸۱۹۰-۰۵

نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ فیض آباد۔ کتابت: محمد اشفاق عالم فلاحی۔ جامعۃ الفلاح بلریاگنج

مسلم جوانوں سے

ابو طلحہ شمسی دوگھروی

اے جوانو! آگئی کیوں تیرے اوپر بے حسی
کس نے چھائی ہوئی ہے تیرے لب پر خامشی

آگیا ہے وہ زمانہ باندھ لو سر سے کفن
تم بھی دکھلا دو جہاں کو جوہرِ مردانگی

کب تلک بیٹھے رہو گے اپنے گھر میں دوستو!
لوٹ کر لے جائیں گے آنکھوں سے ظالم ہر خوشی

کیوں تمہاری غیرتوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا
اب خدا کے گھر پہ بھی لوگوں کی ہے نیت بری

کس طرح روندا تمہیں ظالم نے [illegible] مجبور ہیں
کافروں نے کر دیا بے حرمتی قرآن کی

کیا ہوا سیتا مڑھی میں کچھ تمہیں معلوم ہے؟
ریڈیو پر آ رہی ہیں روز خبریں دکھ بھری

اپنی ماؤں کی حفاظت کر نہیں سکتے اگر
بے سبب جینا یہاں بے کار ہے یہ زندگی

بزدلی نے لوٹ لی بہنوں کی سر سے چادریں
پھر تمہارے خون میں گرمی نہیں کیوں کھلبلی؟

جاگ کر دیکھو آج ہر کافر بنا شیطان ہے
کس طرح جیتے ہیں دنیا میں مسلماں شان سے

غزل

محمد فرحت حسین خوشدل
ضلع اسکول ہزاری باغ (بہار)

سکون، بندگی، فکر دیں کی انتہا مانگوں
میں سوچتا ہوں کہ مانگوں تو تجھ سے کیا مانگوں

میرے خیال میں [illegible]
میں تجھ سے اور بھلا کیا تیری رضا مانگوں

ترے جہان کی رعنائیاں ہیں لا محدود
ترے کمال کی وسعت کی انتہا مانگوں

ترے کرم کی بدولت مجھے ملا سب کچھ
ترے کرم کے سوا اور تجھ سے کیا مانگوں

میرا ضمیر جھنجھوڑے ہے مجھکو صبح و مسا
گناہ گار ہوں دنیا میں ہر سزا مانگوں

تمام عمر ہو خوشدل کے لب پہ [illegible]
خدا سے روز یہی ایک دعا مانگوں

نقوش حیات نو

صفحہ

○ اداریہ
آپ بھی اپنا حافظہ بڑھا سکتے ہیں — ابو یحییٰ فلاحی — ۳

○ بحث و نظر
قیادت کا مقام — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ — ۱۱
غیر ضروری مسائل و مشکلات سے اجتناب کی فرورت — ″ ″ ابوالحسن علی ندوی — ۲۴
بوڑھے اور معذور لیڈر، قوم کی بدعات — نعیم صدیقی، محمد خالد ندوی — ۲۸، ۱۱

○ عظمت کے مینار
علامہ حمید الدین فراہیؒ — محمد الیاس اعظمی ایم اے — ۳۲
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل — محمد اسمٰعیل فلاحی — ۱۸

○ تعلیم و تعلم
جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تعلیمی سہولتیں — ارشاد احمد فلاحی — ۲۸

○ تعارف و تبصرہ — عبدالرازق فلاحی — ۳۷
رسائل مسیح الملک

○ شعر و نغمہ — غزلیں — ادریس ضیاء، فرقِ رسولپوری، ایم اے قاسمی، محمد عزت حسین، تبرک نقشبندی — ۴۲
○ اخبار علمیہ — ۴۳
بھگوت گیتا اردو میں شائع، یو پی کے مسلم اداروں اور تنظیموں کی ڈائرکٹری، ابن اعظم فلاحی

○ جامعہ کے لیل و نہار — ۴۶
تعطیل عید الاضحیٰ۔ الفلاح طبع ہوگیا، اطہر احسن مستقیمی فلاحی کا صدمہ، — محمد اسمٰعیل فلاحی

○ روداد انجمن — ۴۷
مرکز اور دہلی یونٹ کی سرگرمیاں — محمد اسمٰعیل فلاحی

○ حلقہ یاراں — محمد شرف الدین، ابن حبیب فلاحی — ۴۸

اداریہ — ابو یحییٰ فلاحی

آپ بھی اپنا حافظہ بڑھا سکتے ہیں

طلبہ بالعموم حافظہ کی خرابی کی شکایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں یاد نہیں ہوتا، بات ذہن میں نہیں رہتی، سمجھ میں نہیں آتا، کوئی انہیں دماغین کا مشورہ دیتا ہے اور کوئی انہیں مخصوص قسم کی ورزشیں بتاتا ہے۔ یہ سب چیزیں اپنی جگہ پر لیکن آئیے ایک طبیب حاذق سے اس کا نسخہ معلوم کریں۔

امام شافعیؒ کو اپنے سلسلہ میں احساس تھا کہ ان کا حافظہ ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے استاد سے اس کا تذکرہ کیا۔ استاد نے اس موقع پر ایک ایسا نسخہ تجویز کیا کہ طلبہ اگر اس کا استعمال شروع کر دیں تو ان کا حافظہ درست ہو جائے۔

امام شافعیؒ کی زبانی یہ واقعہ سنیئے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی — فاوما الی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الٰہی — ونور اللہ لا یعطی لعاصی

وہ کہتے ہیں میں نے اپنے استاد وکیع سے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی۔ استاد نے نصیحت فرمائی معاصی سے باز آجاؤ، اسلئے کہ علم خدا کا نور ہے اور خدا کا نور کسی گنہگار کو نہیں ملا کرتا۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان کے حافظہ کی درستگی اور تیزی بڑی حد تک اسکے کردار سے متعلق ہوتی ہے، وہ اگر صاف ستھرا، پاکیزہ اور گناہوں سے دور ہے تو یہ چیز اسکے حافظہ کی تیزی کا سبب ہے، نہ حافظہ کی تیزی کی کوئی حد ہے اور نہ کردار کی بلندی کی کوئی انتہا، امام شافعیؒ جیسا ذہین اور قوی الحافظہ شخص بھی اپنے حافظہ پر روتا ہے، انہیں اور اچھا حافظہ چاہیئے اور ان کے استاد ان جیسے پاکیزہ، پارسا اور بلند کردار شاگرد رشید کو بھی ترک معاصی کی نصیحت کرتے ہیں کیونکہ علم نور الٰہی ہے اور یہ نور کسی نافرمان کو نہیں عطا ہوتا۔

معصیت: اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کے کام، اسی طرح اساتذہ اور بزرگوں کی نافرمانی، لکھنے پڑھنے اور تعلیم و تربیت کے سلسلے کی ہدایات کو نظر انداز کرنا سب شامل ہے۔

نعیم صدیقی

بڈھے اور معذور لیڈر

اگلے روز ایک نوجوان بہت ہی حجابانہ اور مودبانہ انداز سے دفتر میں ملا، مجھ سے معروف ذرا کری جھجک سے اسلامی طریق دعوت کے متعلق سوال کیا۔ باتوں باتوں میں اس نے کہا کہ میں بالعموم بوڑھے لوگوں کو چھوڑ دیتا ہوں کہ ان پر محنت سے کیا فائدہ، چند سال معذورانہ طور پر بسر کریں گے، میں نوجوانوں پر توجہ دیتا ہوں۔ میں نے گرفت کی کہ آپ یہ امتیاز نہیں کر سکتے، کوئی فوج تو بھرتی نہیں کرنی، آپ کو کوشش یہ کرنی ہے کہ ایک شخص صحیح شعوری ایمان کے ساتھ پابندی عبادات اور احتیاط حلال و حرام کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو تاکہ اسکی عاقبت سدھر جائے اور بوڑھے بھی دعوت کا کام کرتے ہیں۔ میں نے ملا واحدی مرحوم کی مثال دی کہ عالم پیری میں انہیں فالج ہو گیا تھا مگر وہ اسی حال میں بیٹھے لیٹے ہر روز قرآن و حدیث کی تشریح یا احکام کا خلاصہ اپنی تحریروں میں بیان کرتے اور وہ اخبارات میں چھپتا۔

کتنے ہی انبیاءؑ ہیں جنہوں نے لمبی عمر تک دعوت پھیلائی۔ خلفائے راشدینؓ ہیں جو جوانیاں تحریک اسلامی میں کھپا کر خلافت کی ذمہ داریاں اٹھائے داعئ اجل کو لبیک کہتے ہیں، بلکہ تین آخری بزرگ تو قاتلوں کے ہاتھوں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ہمارے بہت ائمہ، قضاۃ، مصنفین اور واعظین و صوفیا جوانی کی حدود سے آگے نکل گئے۔ ہماری ساری تاریخ اور عالمی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

جب تک کوئی شخص کسی اصولِ حق پر مضبوطی سے قائم ہے، اس کے مخالفین کا سامنا کرتا ہے، اسکی دعوت دیتا ہے اور جب تک وہ عمر کی خامی، زیادتی یا کسی مرض کے باعث پوری معذوری کے مقام تک پہنچ نہیں جاتا، اسلام کے پاس اس کیلئے اس کی استطاعت کے مطابق کام ہے۔ معاصرانہ تحریکات احیائے اسلام اور تحریکات جہاد میں نہ صرف عمر رسیدہ بلکہ معذور قسم کے رہنما بھی سرگرمی سے کام کر رہے اور نوجوان ان پر سو جان سے فدا ہیں۔ مثلاً جناب احمد یٰسین کو آپ جانتے ہی ہیں، انہوں نے نوعمری میں تیاری جہاد کی مشقوں

میں طرح طرح کی مشکلات اور شدائد کا سامنا کیا اور ایک بلند چٹان سے چھلانگ لگاتے ہوئے سر کے بل گرے، اور ریڑھ کی ہڈی کے مہرے کھل گئے۔ مختصر یہ کہ عمر بھر کے لیے مفلوج ہو گئے۔ اسی حالت فالج میں انہوں نے ایک تعلیمی منصب کے لئے ایک بورڈ کے سامنے انٹرویو دیا تو صحیح الاعضا افراد کے مقابلے میں بہت اعلیٰ پوزیشن حاصل کی۔ احمد یٰسین کے گرد نوجوانوں کا جمگھٹ رہتا اور وہ ان سے رہنمائی لیتے۔ اسی حال میں ایک شریف اور معزز خاتون نے اپنے آپ کو اس مفلوج لیڈر کی زوجیت کے لئے پیش کیا اور وہی اسکی معذورانہ کرسی کو حرکت دیتی اور حوائج سے فراغت میں مدد دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ جیل میں (فلسطین میں) اجازت خاص سے وہ ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ اسی شخص نے حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ قائم کی، جس کے پہلے حروف کو ملا کر لفظ "حماس" بنتا ہے۔ اسرائیلی عدالت نے اس قائد کو پہلی بار سزائے قید ۱۲ سال کیلئے دی، مگر مشیت الٰہی سے وہ گیارہ ماہ بعد رہا ہو گئے۔ یہ ۱۹۸۳ء کی بات ہے۔

۸ دسمبر کو دوسری تحریک انتفاضہ (uprising) کا آغاز ہوا۔ ۱۹۸۹ء میں اسرائیلیوں نے پھر انہیں گرفتار کر لیا اور وہ ابھی تک جیل میں ہیں۔ جامعات کے اساتذہ و طلبہ، ڈاکٹر اور انجینئر اور دیگر باشعور تعلیم یافتہ مسلمانوں کا بڑا حصہ شیخ کی عقیدت سے سرشار ہے۔ اب آیئے، ایک اور شخصیت کی بات کریں، حال ہی میں امریکی جرائد نے ان کا قصہ بہت پھیلایا ہے اور ہمارے جرائد میں بھی مغرب کی بنائی اسٹوری خوب شائع ہوئی۔ جرسی سٹی میں ایک ادنیٰ سی دکان کے اوپر ایک کھڑکی پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ مسجد السلام!

اس ایمانی و جہادی مرکز کی روح رواں شیخ عمر عبدالرحمٰن ہیں۔ شیخ نابینا ہیں مگر جس طرح ان کے عقیدت مندوں کا زور بڑھ رہا ہے، امریکہ اور مصری حکومتیں خوف سے کھوکھلی ہوتی چلی جا رہی ہیں، وہ اگر اپنے کسی نوجوان مرید کو ذرا سا اشارہ کر دیں کہ فلاں کو قتل کر دو تو وہ بے دریغ ایسا کر دے گا۔ شیخ خطبے میں کھلم کھلا کہتے ہیں کہ:

"خدا کے دشمنوں پر کاری ضرب لگاؤ، انہیں مار ڈالو، یہودیت اور کمیونزم اور امپیریلزم کی میزوں پر پلنے والے بندروں، سوروں اور ان کی اولادوں کو ختم کر دو، جہاد کرو اور اللہ کے دشمنوں سے مصالحت نہ کرو۔"

٥٥ برس کی عمر کے اس نابینا اور بھاری بھرکم جسم کے بندۂ خدا کو چلتے وقت دونوں جانب سے سہارا دیا جاتا ہے۔ مزید ایک جملہ سنیئے۔

"مصر کے حاکموں نے اپنا مذہب اور دین، اپنا ضمیر، اپنے عوام، دنیاوی آسائشوں کے لئے شیطان کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔"

شیخ کے زیر اثر مصری بنیاد پرستوں (باصطلاح صلیبیانِ مغرب) میں سے ایک کو ٹیلی وژن سینٹر میں بلوا کر علمائے ازہر سے مناظرہ کرایا۔ ہر مرتبہ علمائے ازہر ناکام ہو گئے یہ نتیجہ دیکھ کر حکومت نے پروگرام بند کر دیا۔ شیخ کہتے ہیں کہ اگر ہنگامی حالات اور قوانین ہٹا دیئے جائیں تو ایک گھنٹے میں مصری حکومت ختم ہو جائے گی۔ یہ ہے نتیجہ اخوانیوں کے پیچھے ...... دھکیلنے کا کہ زیادہ متشدد پسند اور جوشیلی قوتیں ابھر آتی ہیں۔

ہاں اوپر جن شیخ عمر عبدالرحمٰن کا ذکر کیا گیا ہے وہ مصر کے علاوہ الجزائر اور ترکی سے فلسطین تک مقبول ہیں اور ان کے ہزارہا فدائی ان کی کیسٹیں منگا کر سنتے ہیں۔ مصری حکومت کو ان سے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ کسی طرز سے مصر میں انقلاب نہ برپا کر دیں، لہذا مصری حکومت امریکہ سے درخواست کرتی ہے کہ خدا کے لئے اس شخص کو وہاں سے نکلنے نہ دیجئے ورنہ ہماری شامت آ جائیگی۔ ادھر امریکی حکومت کے نگراں ادارے شیخ کی تقریروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں، مگر ابھی تک ان کو کوئی قابل گرفت چیز نہیں ملی۔

اسی "مسجد الاسلام" کے ایک نمازی کو ٢٦ فروری کو مبینہ طور پر ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں ایک بم کے دھماکے کا ملزم گردانا جا رہا ہے۔

اور دیکھئے کشمیر کے بے مثال تاریخی جہاد کا سب سے بڑا رہنما سید علی گیلانی ہے، جس کی تصویروں سے اس سے بڑھاپے اور کمزور اور بیمار جسم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مصر سے متصل سوڈان میں انقلاب کی جو بھی شکل نمودار ہو رہی ہے، اس کے لیڈر حسن ترابی کو دیکھئے کہ وہ کس عمر کے ہیں۔

اب ابو عبدالعزیز کا ذکر جو افغانستان میں روسیوں کے خلاف ایک عرصہ تک معرکہ آرائی کرتے رہے تھے۔ اب بوسنیا میں پہنچ گئے ہیں، وہ کہتے ہیں، "میرا ملک اسلام اور میری پہچان مسلمان

ہونے میں ہے ...... جہاں پر بھی اللہ اکبر کی آواز بلند ہو وہ جگہ میرے جسم کا حصہ ہے۔"

یہ صاحب بھی تیس پینتیس برس کے نوجوان نہیں ہیں بلکہ عمر کے ٥٠ سال پورے کر کے ٩ بچوں کے والد کی حیثیت سے پختہ عمر کی ...... تصویر دیکھئے۔

شیخ کا بیان ہے کہ ہم بوسنیا پہنچے تو ظلم و ستم کا جو منظر دیکھا اس کا دسواں حصہ بھی اخبارات میں نہیں آتا۔ ذرائع پر مغرب خصوصاً یہودی مسلط ہیں۔ وہاں بچوں کو ماؤں کے سامنے ذبح کر دیا جاتا۔ بچوں کے جسموں سے ان کے اعضا کاٹ کر علیحدہ کر دیے جاتے۔ بیٹیوں کے سامنے ماؤں اور بھائیوں کے سامنے بہنوں کی آبرو لوٹی جاتی، جوانوں کو سر عام ذبح کر دیا جاتا یا زندہ دفن کر دیا جاتا، ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑ کر سڑکوں پر انہیں گھسیٹا جاتا، مسجدیں اور مینار خاص طور پر ان کا نشانہ ہیں۔

اسلامی فوج کے کمانڈر ایک بوسنی مسلمان خود کار وشنن ہیں، جو مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں۔ فوج کے کئی بٹالین ہیں اور ہر بٹالین میں ایک سو تا ڈیڑھ سو مجاہدین ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن بتاتے ہیں کہ ہم پندرہ روزہ تربیتی کیمپ لگائے ہوئے ہیں۔ جہاں مجاہدین کو ضروری اسلامی تعلیم کے ساتھ ہلکا اور چھوٹا اسلحہ استعمال کرنا سکھایا جاتا ہے۔ اس وقت سو ملک کے مسلمان بوسنیائی بھائیوں کے ساتھ ٹریننگ لے رہے ہیں۔ وہاں پر جنگ ہمارے عقیدے کی جنگ ہے صلیب اور اسلام کی جنگ ہے۔ سربیا کے ساتھ پورا مغرب یہ چاہتا ہے کہ اسلام کا نام لینے والوں کو ختم کر دیا جائے۔ بوسنیا میں جو بھی ظلم ہو رہا ہے، اقوام متحدہ اس میں مکمل طور سے ملوث ہے۔ حتیٰ کہ اقوام متحدہ کی فوج کے ایک کمانڈر نے اپنے فوجیوں کے ساتھ مل کر مسلمان بچیوں کو بہیمیت کا نشانہ بنایا۔

ابو عبدالرحمٰن کو گرفتار کرنے یا ان کا سر لانے کے لئے ایک لاکھ ڈالر انعام کا اعلان ہے۔ چیلنج دیا گیا کہ تم زندہ حالت میں بوسنیا سے نہیں نکل سکتے۔

کیا ستم ہے کہ کرسمس کے موقع پر برطانیہ کا عیسائی وزیر اعظم برطانیہ کے متعین فوجی دستوں کی ہمت افزائی کے لئے بوسنیا میں پہنچا۔ مگر کسی مسلمان بادشاہ، وزیر، لیڈر یا عالم کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں کا حوصلہ بڑھاتا۔ خیال رہے کہ اقوام متحدہ کا مبعوث خاص اٹھا کے سربیا جہنم میں جا گیا۔

ضمیر الگ نگڑی ہو، ہو یا ہتھیار دے جائیں۔ مثالیں تو کچھ اور بھی سامنے ہیں مگر اس کام کو بھاد نہیں بنا نا ہے۔ مثلاً جناب اسمٰعیل الراجی شہید الجزائری تحریک اسلامی کے سربراہ ۔۔۔۔ شیخ عبداللہ عزام شہید فلسطین، غازی عبدالکریم مجاہد ریف، مفتی اعظم امین الحسینیؒ (فلسطین) شیخ اسامہ مصر ۔۔۔ جن کی عمر کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ۱۹۵۶ء میں جب وہ نہر سویز کی جنگ میں بھرتی ہونے کے لیے پیش ہوئے جواب ملا کہ "بابا ہم جوانوں کو بھرتی کرتے ہیں، آپ اتنے بوڑھے ہیں کہ اسلحہ کا استعمال تو درکنار اسے اٹھانا بھی آپ کے لیے مشکل ہوگا"۔ (اس مجاہد کی دلچسپ داستان لکھنے کے لیے کوئی نسیم حجازی چاہیے)۔ صالح ابو جان (ترکی) عمر ۹۳/۹۴ سال۔ ایک اور بزرگ لیڈر عیسیٰ توشتی (البانیہ) ہے۔ اس کی دعوت و تحریک اور کئی سالوں کی قید اور طویل داستانِ شوق کے آگے مغربی پروپیگنڈے نے ایسا آہنی پردہ بلکہ فولادی کھڑی کر دی ہے کہ دنیا کے مسلمان اسے جانتے بھی نہیں۔ ایک کہانی عیسیٰ یوسف الپتکین (مشرقی ترکستان) کی ہے جو نوے سال کو پہنچ کر دنیا کی نگاہ سے گوشہ نشین ہو گئے ہیں ۔۔۔ امام شامل کو کون بھلا سکتا ہے۔ امام حسن البناء کے خطہ میں شیخ محمد الغزالی نے ۲۲ ستمبر ۱۹۹۶ء کو خیر باد کہا۔ محمد الغزالی ۱۹۴۹ء، ۱۹۵۴ء اور ۱۹۶۵ء میں اسیر کیے گئے اور اخوانیوں کی آزمائش کا یہ دور بہت سخت تھا۔ ملت کے آسمانِ قیادت کے ان ستاروں کو اور ان سے پہلے اور دیگر معاصر لیڈروں کو پیش کرنے کے لیے کتاب چاہیے۔

مختصر یہ کہ قیادت کے بڑے میں پختہ سن اور بوڑھے بلکہ معذور حضرات بھی شامل ہیں۔

قدرت نے انسانی معاشرے کی ترتیب یہی رکھی ہے کہ مثلاً گھر کے یونٹ میں دادا یا نانا یا والد، یا چچا یا ماموں وغیرہ بزرگان چھوٹوں پر نگاہ رکھتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ نئی نسل کی جڑیں جن پختہ روایات اور اقدار کی زمین میں اتری ہوئی ہیں ۔۔۔ ان سے وہ منقطع نہ ہونے پائیں اور نئی نسل کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ روایات و اقدار کی پابندیوں کو گھٹائیں اور شاخوں پر نئے پتوں اور کونپلوں کو بڑھائیں، بلکہ باہر کے دوسرے درختوں سے لا لا کر باندھ بھی دیں، جیسے بچے نے ضد کی کہ ٹافیاں یا جیلی اب لینی ہے۔ بزرگ سمجھائے گا، بیٹے یہ صحت کے لیے مضر ہیں تم یہ دو، کینو لو، خربوزے لو، سیب لو۔ مگر صاحبزادے بسورنے جا رہے ہیں یا جوانی میں پہنچ کر صاحبزادے میاں غنڈوں سے دوستی کا شغف ہے یا نشہ سے دلچسپی لیتے ہیں، وڈیو کی دکان کے شکار ہیں۔

باپ، چچا یا ماموں کو پتہ چلا تو انہوں نے تدبیر سے بھی اور سختی سے بھی روکنا چاہا۔ پھر جب بھنک پڑی کہ چھوٹے نواب صاحب "ہیروئن" سے مگر یٹ سے بھی شوق فرماتے ہیں تو بزرگوں کو صبر کا یارا ذرا بھی نہ رہا، پابندیاں لگ گئیں۔ مگر بڑی عمر کے اصحاب خاندان کے خلاف بغاوت کا ایک لاوا صاحبزادے کے ذہن میں پھوٹا جو بعد میں ملحدانہ اور اخلاق سوز شاعری کی شکل اختیار کر گیا۔ یہی حال جماعتوں اور تحریکوں میں ہوتا ہے۔ بزرگوں میں سوچ سمجھ کے ساتھ کام کرنے کا طریقہ پایا جاتا ہے جوانوں میں جلد سے جلد کچھ کر دکھانے کا رجحان ہوتا ہے۔ بزرگ اہلِ قیادت معیار کو برقرار رکھنے کی فکر کرتے ہیں، نوجوان عنصر معیاریت کی قربانی دے کر مقدار بڑھانا چاہتا ہے یا استعداد کو کم کر کے تعداد کا اضافہ اسے مطلوب ہوتا ہے۔ اس جذباتی اور عاجلانہ انداز کار والے حضرات کے لیے کئی سال سے کام کرنے والے حضرات عظیم رکاوٹ بنتے ہیں۔ مضبوط دلائل کے ساتھ وہ معاملات کو واضح کر سکتے ہیں، مستقبل کے نتائج کی دور تک جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ ان کا وجود استعجال پسندوں کے لیے پسندیدہ نہیں رہتا۔ پھر کوئی ذی فہم لیڈر نظریہ دور اس کے مطابق عملی اقدامات پیش کر کے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اگر نوجوان قوت کو پوری طرح کام کرنے دیا جائے اور انہیں آگے لایا جائے تو کام اور حصول نتائج کی رفتار تیز ہو سکتی ہے۔ اس طرح یہ ایک ایک تغیر شروع ہو جاتا ہے۔ ہر نوجوان گویا صاحب تجربہ و فراست ہے اور ہر پختہ سال آدمی ناتوانی اور دقیانوسی اور پرانی باتوں اور روایتوں میں الجھا ہوا دکھائی دیتا ہے جو نئے خیالات اور طریقوں سے آشنا نہیں۔ اس طرح کوئی بھی تیزی فکر رکھنے والا شخص اپنے سے زیادہ جانے۔ بچنے اور بھٹکنے والوں کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ وہ روک ٹوک کر سکیں۔

ایک کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بستی یا علاقے میں یہ رواج تھا کہ آدمی ۶۰ سال کا ہوتا اس کو ۔۔۔ اس کا جوان سال بیٹا جا کر تیز رو پہاڑی ندی میں کسی چٹان پر بٹھا آتا۔ سعادت مندی یہ کرتا کہ کمبل اور دو ایک روز کا کھانا اس کے پاس چھوڑ آتا۔ پھر بھوک، بیماری یا کسی جانور کے حملے سے وہ ایک دو روز میں مر جاتا۔ اس پختہ روایت کے تحت ایک نوجوان اپنے بوڑھے باپ کو کہیں پھینک آنے کے لیے نکلا۔ جب اسے چٹان پر بٹھا کر رخصت ہونے لگا تو بوڑھا زور سے ہنسا۔ لڑکے نے پوچھا کیا بات ہے۔ بوڑھے

نے جواب دیا: ایک دن میں بھی اپنے باپ کو اپنی جگہ حوالہ تقدیر کر کے گیا تھا اور تم چھوٹے سے بچے تھے اور میرے ساتھ یہاں آئے تھے۔ مجھے یہ خیال نہ آیا کہ ایک دن میں بھی اسی جگہ لایا جاؤں گا اور ختم ہو جاؤں گا۔ ہنسا اس لئے ہوں کہ کل تمہارا آٹھ سال کا بچہ جو ساتھ ہے، یہ بھی تم کو اسی جگہ کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ جائیگا۔ یہ سن کر نوجوان بیٹے کا دل کانپ گیا اور وہ اپنے والد کو سواری پر بٹھا کر واپس لے گیا اسی دن یہ واہیات روایت ٹوٹ گئی۔

کلام طویل ہو گیا . . . . مگر چھوٹا سا ایک قصہ اور!

اسکندر اعظم کے متعلق روایت ہے کہ اس نے پتہ چلا لیا کہ مشہور آب حیات کا چشمہ کہاں ہے۔ چیدہ چیدہ امراء، فوجی افسروں اور مقامی رہبروں کو ساتھ لے کر چلا یہاں تک کہ ایک غار کے دہانے پر قافلہ جا رکا۔ مقامی رہبروں نے عرض کیا اور اس تاریک اور لمبے غار میں کچھ فاصلے پر چشمہ ہے۔ مگر آج تک جو اندر گیا وہ کبھی سلامت واپس نہیں آیا۔ چلتے وقت اسکندر نے تمام ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ کوئی شخص کسی بوڑھے آدمی کو ساتھ نہ لے جائے۔ اب جب یہ سوال پیدا ہوا کہ غار میں نہ جانے کدھر کدھر راستے جاتے ہیں اور میلوں اندر جا کر ہم کیسے واپس آسکیں گے؟ اس سوال کا جواب کسی سے بن نہ پڑا۔ قافلے نے پڑاؤ ڈال دیا اور فیصلہ ہوا کہ صبح تک اگر سوال کا جواب مل جائے تو ہم روانہ ہوں گے۔

علی الصباح تمام درباریوں اور افسروں کو جنہیں ساتھ جانا تھا، بگل بجا کر ایک جگہ طلب کیا گیا اور وہاں لائن بنائی گئی۔ تب سکندر ــــ نے سوال کیا کہ اگر ہماری مشکل کا کوئی حل کسی کو مل سکا ہو تو وہ لائن سے آگے ہو کر بیان کرے۔ ایک شخص بہت ہچکچاہٹ کے ساتھ آگے بڑھا مگر خاموش کھڑا ہو گیا ــــ اسکندر نے حکم دیا کہ ہر بات کہو، تم خاموش کیوں ہو۔ اس نے عرض کیا کہ مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے؟ اسے معاف کر کے جان بخشی فرمائیں تو عرض کروں کہ اسی غلطی سے مسئلہ حل ہوا ہے۔ سکندر نے کہا، جلد بتاؤ، غلطی معاف۔ اس نے عرض کیا کہ حکم کی مخالفت کے باوجود میں اپنے بوڑھے والد کو سامان والے گھوڑے پر چھپا کے لے آیا۔ وہ بھی آب حیات کا طالب تھا۔ میں نے بہت پریشانی کے بعد سارا قضیہ والد سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ سواروں کے پاس جتنی گھوڑیاں ہیں ان کے بچھڑے شیر خوار ــ پیچھے رہ

بقیہ صفحہ ۳۶ پر

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

قیادت کا مقام

محترم رفقاء!

آپ جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی، جس میں آپ شامل ہوئے ہیں، صرف ایک جماعت یا انجمن نہیں ہے بلکہ ایک تحریک کی علمبردار جماعت ہے۔ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ یہ جماعت جس تحریک کی علمبردار ہے۔ وہ کوئی محدود نوعیت کی تحریک نہیں، بلکہ پورے نظام زندگی میں ہمہ گیر تغیر و انقلاب اور اصلاح و تعمیر کی تحریک ہے۔ اس بات سے بھی آپ واقف ہیں کہ یہ تحریک کامیابی کی منزل پر پہنچ نہیں چکی، بلکہ جدوجہد اور کشمکش کے کٹھن مراحل سے گزر رہی ہے اور ابھی نہ معلوم کتنی مدت تک اسے انہی مراحل سے گزرنا ہے۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ اس جدوجہد کا کوئی ایک محاذ نہیں، بلکہ بیسیوں محاذ ہیں، اور یہ کشمکش کسی ایک طاقت سے نہیں بلکہ ان بے شمار اندرونی اور بیرونی طاقتوں سے ہے، جو اسلامی نظام زندگی کے قیام میں شعوری یا غیر شعوری طور پر مزاحم ہیں۔ یہ سب حقیقتیں اگر آپ کے ذہن میں تازہ نہیں ہیں، تو براہ کرم اب تازہ کر لیجئے، کیونکہ اس کے بغیر آپ اس مسئلے کی نزاکت پوری طرح محسوس نہیں کر سکتے جسے میں آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔

جو جماعت اس طرح کی ایک تحریک چلا رہی ہو، اس میں قیادت کا مقام اگر کسی شخص کو دیا جائے تو اسے بیک وقت دو مختلف نوعیت کے کام کرنے پڑتے ہیں۔ ایک تحریک کی رہنمائی، دوسرے نظام جماعت کی سربراہی۔ یہ دونوں کام صرف نوعیت ہی میں ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں، بلکہ ان کے تقاضے بسا اوقات ایک دوسرے کی ضد ہو جاتے ہیں اور ایک شخص کے لئے ہر حالت میں ان دونوں کو ایک ساتھ پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ ذرا تجزیہ کر کے دیکھیں تو دونوں کا فرق اور ان کو ایک ساتھ نبھانے کی دشواری آپ کے سامنے واضح ہو جائے۔

نظام جماعت کو چلانا ایک انتظامی نوعیت کا کام ہے۔ وہ لامحالہ ایک دستور چاہتا ہے خواہ وہ تحریری دستور ہو یا رواجی۔ اس کے سربراہ کی حیثیت ایک صدر انجمن، ایک ناظم

یا ایک ایگزیکٹو آفیسر سے مختلف نہیں ہو سکتی۔ اس کو لازماً کچھ مقرر اختیارات دیے جائیں گے اور کچھ حدود کا پابند کیا جائے گا۔ وہ ان حدود اور اختیارات سے تجاوز بھی نہیں کر سکتا اور ساتھ ہی اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر اسے انتظام چلانا ہے تو ان حدود کے اندر کسی نہ کسی وقت اپنے اختیارات کو استعمال بھی کرے خواہ کسی کو گوارا ہو یا ناگوارا۔ انتظام کے معاملے میں محبت کا کوئی سوال نہیں۔ وہ تو نظم کے تقاضے پورے کرنے کا طالب ہے۔ پھر جماعت کا نظام یہ چاہتا ہے کہ اس کے سب کام ایک لگے بندھے ضابطے پر چلیں۔ اس میں مشورے اور معاملات کے فیصلے کا ایک طریقہ مقرر ہو۔ اس میں نیچے سے اوپر تک تمام متعلقہ اداروں اور ان سے تعلق رکھنے والے اشخاص کے حدود، حقوق اور اختیارات متعین ہوں اور اس میں ناظم اعلیٰ سے لیکر ایک ابتدائی رکن یا کارکن تک کسی کو نہ اپنی حد سے نکلنے کا حق ہو، نہ دوسرے کی حد میں داخل ہونے کا۔ اس میں ہر فیصلے کے متعلق یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ وہ ضابطہ کے مطابق ہوا ہے یا نہیں۔ اس میں ہر حکم کے متعلق یہ بحث پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ قاعدے کے اندر ہے یا باہر۔ اس میں پیدا ہونے والی نزاعات نہ صرف جماعت کے اندر تصفیہ طلب ہو سکتی ہیں بلکہ ملکی عدالتوں میں بھی جا سکتی ہیں اور پبلک میں بھی بحث کا موضوع بن سکتی ہیں۔ یہ سب کچھ ایک منظم ادارے کی شکل میں کام کرنے کے قدرتی لوازم ہیں۔

علاوہ بریں اگر ایسے کسی ادارے کو جمہوری طرز پر چلنا ہو تو اس میں اختلافات کا دروازہ کھلا ہونا چاہئے، فروعی ہی نہیں، اصولی اختلاف کی بھی گنجائش ہونی چاہئے۔ اظہار رائے ہی کی نہیں، اپنے نقطہ نظر کے حق میں دوسروں کی رائے ہموار کرنے کی بھی آزادی ہونی چاہئے۔ اس میں پارٹیاں اور گروپ بننا جمہوریت کا فطری تقاضا ہے۔ اس میں اپوزیشن بھی ہو سکتی ہے اور سربراہ کی اپنی پارٹی بھی۔ نظم و نسق اکثریت کے ہاتھ میں بھی رہ سکتا ہے اور مخلوط بھی۔ فیصلے تقسیم آرا سے بھی ہو سکتے ہیں اور مختلف گروپوں کی مصالحت سے بھی۔ ادارے کے سربراہ کا کام بہرحال اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ جمہوری فیصلوں کو نافذ کرے۔ جمہوریت خود یہ چاہتی ہے کہ اس میں کسی کا بھی اتنا زور نہ ہو کہ وہ ایک جمہوری ادارے کو اپنی رائے کے مطابق چلائے۔ جو شخص بھی ایسا زور آور بنتا نظر آ رہا ہو، جمہوری مزاج، تو بجائے خود اس کا زور توڑنے پر مائل ہو جائے گا۔

ایک تحریک کا مزاج، خصوصاً جبکہ وہ کشمکش اور جدوجہد کے مراحل میں ہو، اس سے بالکل مختلف ہے اور اس کو چلانے کے مقتضیات کچھ دوسرے ہیں۔ تحریکیں دفعوں پر نہیں چلا کرتیں، ضابطوں کی بندشوں میں نہیں جکڑی جا سکتیں۔ اختلافات، خصوصیت کے ساتھ اصولی اور نظریاتی اختلافات ان کے لئے سمِ قاتل ہیں۔ اندرونی پارٹیوں اور گروپوں کا ظہور ان کے لئے پیغامِ موت ہے۔ ان کے اندر نزاعات کا پیدا ہونا ہی خطرناک ہے، کجا کہ کوئی نزاع ایک مقدمے کی صورت اختیار کرے اور تحریک کے چلانے والے اس میں ایک دوسرے کے مقابل فریق ہوں۔ تحریک کا مزاج وحدتِ فکر، وحدتِ قلب و روح، اور زیادہ سے زیادہ وحدتِ عمل چاہتا ہے۔ اس سے تعلق رکھنے والوں کے دلوں اور دماغوں اور طبیعتوں میں جتنی ہم آہنگی اور سعی و حرکت میں جتنی مطابقت ہو، اتنی ہی وہ طاقت ور ہے اور جتنا ان کے درمیان فرق ہوا اتنی ہی کمزور ہے۔ ایک تحریک کی ہوا اکھاڑ دینے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کے دو ترجمان دو مختلف زبانوں سے بولنا شروع کر دیں، یا ایک فکر پر چلتے چلتے یکایک اس میں دوسری فکر یا بہت سے مخلوط افکار کا رنگ جھلکنے لگے۔ تحریکوں میں اکثریت و اقلیت کا سوال پیدا ہونا سرے سے غلط ہے۔ جس تحریک میں یہ قاعدہ چلنے لگے کہ فیصلے اکثریت سے ہوں گے یا اقلیت و اکثریت کے درمیان سمجھوتے سے مخلوط پالیسیاں بنائی جائیں گی، اسے کوئی چیز شکست اور ناکامی سے نہیں بچا سکتی۔ کامیابی کا امکان اگر ہے تو اسی تحریک کے لئے ہے جس کا ہر قدم پوری جماعت کے قلبی فیصلے سے اٹھے، جس کے ہر فیصلے کو پوری جماعت ہی نہیں، اس کی فکر سے متاثر ہونے والا وسیع ترین حلقہ بھی یوں محسوس کرے کہ گویا یہ اس کے دل کی آواز اور اس کی روح کی مانگ ہے، اور جس سے تعلق رکھنے والوں کو دنیا ہر جگہ ہم رنگ، ہم زبان اور ہم مزاج پائے۔

یہ تو ہے ایک تحریک اور ایک جمہوری ادارے کے فرق کا ایک پہلو۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایک تحریک کو چلانے والے رہنما کی حیثیت اور اس کے کام کی نوعیت، ایک جمہوری ادارے کے سربراہ سے بنیادی طور پر مختلف ہوتی ہے۔ تحریک کی فطرت ایک ایگزیکٹو آفیسر نہیں چاہتی، جو تحریک سے تعلق رکھنے والوں، یا ان کے نمائندوں کے فیصلے نافذ کرے

بلکہ وہ ایک ایسا رہنما چاہتی ہے، جو اس کی فکر کا ترجمان اور نمائندہ مانا جائے جس کو یہ حیثیت حاصل ہو کہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنی تحریک اس کی آواز میں آواز ملا دے۔ اس کی جماعت میں اس کا زور کسی ضابطے اور نظام کے بل پر ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ جماعت کے لوگوں کا تعلق کسی دباؤ سے نہیں، بلکہ گہری محبت اور قلبی لگاؤ پر مبنی ہونا چاہیے اس کے ماتحت جماعت کا ڈسپلن امارت کی دھونس سے نہیں، بلکہ دل کی سمع وطاعت سے قائم ہونا چاہیے پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس شخص کو جدوجہد اور کشمکش کے دور میں کسی تحریک کی رہنمائی کرنی ہو۔ وہ کبھی ان جمہوری طریقوں سے کام نہیں چلا سکتا، جو صرف انتظامی اداروں کی سربراہی کے لئے موزوں ہوتے ہیں، ان کے کام کی نوعیت اس کمانڈر کے کام سے ملتی جلتی ہوتی ہے، جو میدان جنگ میں فوج کی قیادت کر رہا ہے۔ وہ دیئے ہوئے نقشوں پر فوج کو نہیں لڑا سکتا۔ اپنے نقشے اسے خود سوچنے اور بنانے پڑتے ہیں۔ وہ ہر وقت کونسلیں بلا کر اور ان سے پوچھ پوچھ کر کام نہیں کر سکتا۔ اس کو بسا اوقات فیصلہ کرنے کے لئے گھنٹوں اور منٹوں کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ وہ مشورے لے بھی سکتا ہے اور اسے مشورے دیئے بھی جا سکتے ہیں، لیکن اگر تحریک اس کو چلانی ہے تو فیصلہ مشیروں کے ہاتھ میں نہیں، اس کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ اگر پہل (INITIATIVE) اس کے اختیار میں نہ ہو تو وہ کمانڈر نہیں رہ سکتا۔ اس کو فوج پر یہ اعتماد ہونا چاہیے کہ وہ اس کی اطاعت کرے گی اور فوج کو اس پر یہ اعتماد ہونا چاہیے کہ وہ بروقت اور صحیح فیصلہ کرے گا۔ اس کے اور فوج کے درمیان مشیر حائل نہیں ہو سکتے۔ مشیر زدہ کمانڈر کا حشر میدان جنگ میں وہ ہوا کرتا ہے، جو ساجھے کی ہنڈیا کا حشر چوراہے میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے اور فوج کے درمیان لگے بندھے قاعدے اور ضابطے بھی حائل نہیں ہو سکتے۔ اسے یہ بھروسہ ہونا چاہیے کہ جس وقت جس کو بھی وہ پیچھے ہٹنے کو کہے گا، وہ ہٹ جائے گا۔ حالت جنگ میں اسے احکام کی وجہ بتانے پر مجبور نہ ہونا چاہیے، کیونکہ اس کو اتنی جواب دہی کرنی پڑ جائے اور جنگ چھوڑ کر وہ ساری فوج مقدمہ بازی میں لگ جائے۔ فوج اگر چاہے تو کمانڈر بدل سکتی ہے۔ لیکن اگر اسے لڑنا اور اپنے مقصود کو پہنچنا ہے تو جسے بھی وہ کمانڈر بنائے اسی کو یہی اختیارات دیئے ہوں گے اور مجبوراً نہیں

بلکہ دلی رضا اور اعتماد کے ساتھ دیئے ہوں گے، ورنہ بہتر ہے کہ وہ لڑائی کا خیال چھوڑ دے۔ اس فوج کو شکست ہی کے لئے نہیں، تباہی کے لئے بھی تیار ہو جانا چاہیے، جو عین حالت مقابلہ میں اپنی مخالف طاقتوں کو خبر دے کہ اس کا کمانڈر، کمانڈر نہیں بلکہ جنرل اسٹاف کا محض ایجنٹ ہے اور جنرل اسٹاف ایک مجلس مباحثہ (DEBATING SOCIETY) ہے، جس میں فوجی افسر امور جنگ سے گزر کر خود مقصد جنگ ہی پر دس دس پندرہ پندرہ دن مناظرہ کرتے رہتے ہیں اور ہائی کمانڈر کے فیصلے اب فوجی افسروں کی اکثریت کے ووٹ یا ان کے گروہوں کی مفاہمت پر موقوف ہو کر رہ گئے ہیں۔

تحریک کی قیادت اور جمہوری اداروں کی سربراہی میں ایک اور پہلو سے بھی فرق اور عظیم فرق ہے۔ جیسا کہ میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں، جمہوریت یہ نہیں چاہتی کہ اس میں کوئی بھی اتنا زور آور ہو جائے کہ اس کی رائے جمہور کی رائے کے تابع ہونے کے بجائے اس کی حاکم بن جائے۔ ایسا زور جہاں بھی پیدا ہونے لگے گا، جمہوری مزاج اس کو ضرور توڑنا چاہے گا۔ ایک انگریز نے اپنی جمہوریت پسند قوم کے ذہن کی خوب ترجمانی کی ہے کہ "ہم ہیروز کی پرستش تو کرتے ہیں، مگر کسی ہیرو کی حکومت قبول نہیں کر سکتے" یہ ہے جمہوریت کا مزاج لیکن تحریک کے مزاج کا تقاضا اس کے بالکل برعکس ہے۔ کوئی تحریک اس کے بغیر نہیں چل سکتی کہ اس کو ایک شخصیت لے کر چلے، جسے تحریک کے اندر بھی دلوں اور دماغوں پر غیر معمولی اثر حاصل ہو اور تحریک کے گرد و پیش عام پبلک میں بھی اسکے اثرات پھیلتے چلے جائیں۔ دینی تحریک ہو یا دنیوی، ایک شخصیت کے بغیر اس کا کام نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اسلامی تحریک کیلئے انبیاء علیہم السلام کی شخصیتیں سامنے لا کر رکھ دیں اور ان کا غیر معمولی وزن اپنی مشیت ہی سے نہیں، اپنے احکام سے بھی قائم کیا۔ انبیاء کے بعد جب اور جہاں بھی کوئی دینی تحریک اٹھی ہے ایک شخصیت کے بل پر اٹھی ہے، اور بڑی بڑی شخصیتوں نے کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں بلکہ خدا کے دین کی خاطر یہ ایثار کیا ہے کہ اپنا سارا وزن اس کے وزن میں شامل کر کے اس کا وزن بڑھایا اور گرد و پیش کی دنیا میں اس کا اثر قائم کیا۔ پچھلی ہی صدی میں خود ہمارا ملک ایک عظیم الشان تحریک جہاد کا نظارہ کر چکا ہے۔ اس نے جو کارنامہ انجام دیا اور جس وسیع

پیمانے پر لاکھوں انسانوں کو متاثر کیا، وہ اس کے کارکنوں کی خوبی سے زیادہ ایک شخصیت کے جادو کا اثر تھا اور اس جادو کو فروغ دینے میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ اور بہت سی دوسری عظیم شخصیتوں نے حصہ لیا تھا۔ اسی صدی میں دو خالص دنیوی تحریکیں ہمارے برعظیم میں چل چکی ہیں۔ ایک نے برطانوی حکومت کا تختہ الٹ کر ہندوستان کو آزاد کرایا اور دوسری نے ہندوؤں کے حلق سے پاکستان اگلوا لیا۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ یہ جو کچھ بھی کامیابی ان دونوں تحریکوں کو نصیب ہوئی ایک شخصیت کے بل پر ہی ہوئی؟ اور یہ دیکھ لیجئے کہ وقت کے کیسے کیسے بڑے لوگوں نے اپنی شخصیتوں کو ان دونوں لیڈروں کی شخصیتوں میں گم کر دیا تھا۔ یہ تحریکوں کا فطری مزاج ہے۔ کسی کو دین عزیز ہو یا وطن عزیز ہو، یا قوم عزیز، بہر حال جس کو بھی کسی مقصد عزیز کے لئے کوئی تحریک چلانی ہو اسے دل کی آمادگی کے ساتھ سینے پر پتھر رکھ کر ایک شخصیت گوارا کرنی پڑے گی، بلکہ خود بنانی اور دوسروں سے بنوانی پڑے گی۔ جمہوریت اس سے انکار کرتی ہے اور تحریک اس کا تقاضا کرتی ہے...

ضروری تنبیہ کے طور پر میں دو باتیں پہلے ہی آپ سے عرض کئے دیتا ہوں۔ ایک یہ کہ جماعت کی موجودہ شخصیتوں میں سے جس کسی کو بھی آپ رہنمائی کا مقام دیں وہ اسی صورت میں اس تحریک کی کوئی خدمت انجام دے سکے گا جبکہ باقی تمام شخصیتیں اسکی پیش روی کو خواستہ یا ناخواستہ گوارا کرنے کیلئے تیار ہوں۔ دینی لحاظ سے قطع نظر، دنیوی وجاہت اور ناموری کے لحاظ سے ہمارے درمیان شاید ہی کوئی شخصیت اس پائے کی ہو، جس پائے کی شخصیتیں کانگریس میں جمع ہوئی تھیں مگر آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں نے خدا کی خاطر نہیں کسی اجر آخرت کی امید پر نہیں، صرف آزادی وطن کی خاطر گاندھی کی شخصیت کا نہ صرف تابع ہونا گوارا کیا، بلکہ اس کی بڑائی خود قائم کی اور اس کا نتیجہ آپ سب لوگ دیکھ چکے ہیں۔ ہم بھی اگر دنیا میں خدا کا کلمہ بلند کرنا چاہتے ہیں تو کسی ایک آدمی کو آگے کر کے سب کو اس کے پیچھے چلنا ہوگا اور خدا ہی کی خاطر اس کی شخصیت میں اپنی شخصیتوں کو گم کر دینا

پڑے گا۔ یہ قربانی دینے کے لئے کوئی تیار ہو یا نہ ہو میں اس کے لئے سچے دل سے تیار ہوں۔ آپ جس کو بھی بالاتفاق اپنا رہنما مان لیں گے میں خدا کو اور آپ سب کو گواہ کر کے اعلان کرتا ہوں کہ اپنا سب کچھ لا کر اس کے قدموں میں ڈال دوں گا۔

دوسری بات جو یہ کام کرنے سے پہلے آپ کو خوب سمجھ لینی چاہئے وہ یہ ہے کہ کشمکش کے دور میں ایک تحریک کی رہنمائی کا کام ایک ڈرائیور کے کام سے ملتا جلتا ہوا ہے۔ جس کے ہاتھ میں آپ موٹر کا اسٹیرنگ وہیل دے رہے ہوں۔ اس کے متعلق اچھی طرح اطمینان کر لیجئے اور چلنے سے پہلے یہ بھی طے کر لیجئے کہ کہاں جانا ہے اور کس طرف سے جانا ہے۔

مزید جو مشورے یا ہدایات بھی آپ دینا چاہیں آغاز سفر میں دے لیجئے لیکن جب ڈرائیور اسٹیرنگ وہیل سنبھال کر پر ہجوم راستوں سے گاڑی لئے جا رہا ہو اس وقت گاڑی میں بیٹھے ہوئے لوگ چاہے بجائے خود کیسے ہی ماہر ڈرائیور رہوں اور چاہے خود موٹر کے بنانے والے انجینئر ہی کیوں نہ ہوں ڈرائیور کو بار بار مشوروں بعد ہدایات اور احکام اور نقد و تبصرے سے نواز کر صرف حادثہ مول لے سکتے ہیں بخیریت منزل پر نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے کہ اس وقت صرف ڈرائیور ہی کی قوت فیصلہ یہ طے کر سکتی ہے کہ کس ہجوم سے گاڑی کو کس طرح نکالے، آتی جاتی گاڑیوں کو آگے نکلنے دے اور کس سے خود آگے نکل جائے، اور ایک طرف سے اگر راستہ بند ہو تو دوسری طرف سے کس طرح اپنا راستہ نکالے۔ ایسے مواقع پر مشورے کی ضرورت ہوگی تو ڈرائیور خود اسے محسوس کر کے مشورہ لے گا کچھ پوچھنا ہوگا تو وہ خود پوچھے گا کوئی ہدایت طلب کرنی ہوگی تو وہ خود طلب کرے گا، دوسروں کے لئے اگر وہ بخیریت سفر کرنا چاہتے ہوں اس کے سوا کوئی کام نہیں ہے کہ وہ صبر کے ساتھ چلے چلیں۔ حتیٰ کہ اگر حادثہ بھی ہوتا نظر آئے تو ضبط سے کام لیں، اس لئے کہ خطرے کے موقع پر شور مچانے یا اسٹیرنگ وہیل پر ہاتھ ڈالنے کے معنی یہ ہیں کہ حادثہ نہ ہوتا ہو تو ہو جائے۔ آپ ڈرائیور بدلنا چاہیں تو بدل دیں، مگر جسے بھی ڈرائیور بنائیں اس کو اطمینان کے ساتھ گاڑی چلانے دیجئے جو شخص اسے آمریت سمجھ

بقیہ صفحہ ۲۶ پر

محمد اسمٰعیل فلاحی

اسکی امیدیں قلیل، اسکے مقاصد جلیل

(مولانا سید حامد علیؒ کی یاد میں)

ایمرجنسی کا سیاہ ترین دورِ استبداد ہے دوسرے تحریکی رہنماؤں کے ساتھ مولانا حامد علیؒ صاحب بھی نظر بند ہیں، آر ایس ایس کے سر، کچھ زیادہ ہی متفکر و پریشان اور گھبرائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ایک سوال بار بار سامنے آتا ہے۔ کیا ایمرجنسی ختم نہیں ہوگی! کیا ہم لوگ باہر نہیں نکلیں گے؟ مولانا سید حامد علیؒ صاحب کا جواب لوگوں میں یقین و اعتماد کی لہر دوڑا دیتا ہے کہ کیوں نہیں، اندرا خود ہمیشہ نہیں رہ سکتی تو ایمرجنسی کیا باقی رہے گی۔

۱۹۷۶ء کے آخر کا زمانہ تھا یا ۱۹۷۷ء کے شروع کی بات۔ میں مولانا کے گھر دہلی میں صبح کے ناشتہ پر بیٹھا تھا، تھکا دینے والے لمبے جماعتی دورہ سے مولانا جلد ہی واپس ہوئے تھے ابھی تکان باقی اور نقاہت کے آثار ظاہر تھے کہ اگلے دورہ کی ہدایت ہوئی مولانا کی آمادگی اور تیاری دیکھ کر ان کے لڑکے برادر مکرم خالد حامدی کو باپ پر ترس آیا اور غصہ اور جھنجھلاہٹ کے ساتھ برس پڑے کہ صرف آپ ہی جاتے ہیں اور کوئی انہیں نظر نہیں آتا۔ مولانا نے بیٹے کے منہ پر ہاتھ رکھا اور کہا بیٹے! یہ ہمارے لئے سعادت کی بات اور اللہ کا ہم پر فضل ہے، ہم کسی پر احسان نہیں کر رہے ہیں بلکہ خدا کا ہم پر احسان ہے۔

تاریخ تو ذہن میں نہیں، اتنا یاد ہے کہ ہم اپنے دوستوں کے ساتھ جامعۃ الفلاح کے پرانے ہال میں بیٹھے تھے ہمارے ساتھ ہمارے بعض اساتذہ بھی تھے۔ مولانا سید حامد علی صاحب کی تقریر کے بعد سوال و جواب کا پروگرام تھا۔ ایک طالب علم نے جاننا چاہا کہ کیا بات ہے کہ جماعت کے ذمہ داران اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے دینی درسگاہوں کے بجائے عصری اداروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ مولانا نے جواب دیا دیکھئے میرے تین بیٹے ہیں — دو صلبی خالد و راشد اور ایک دینی نسیم — میں نے ان تینوں کے لئے جامعۃ الفلاح

کا انتخاب کیا ہے۔

"اندرا خود ہمیشہ نہیں رہ سکتی تو ایمرجنسی کیا باقی رہے گی" "بیٹا! یہ ہمارے لئے سعادت کی بات اور اللہ کا ہم پر فضل ہے، ہم کسی پر احسان نہیں کر رہے ہیں بلکہ خدا کا ہم پر احسان ہے" "دیکھئے میرے تین بیٹے ہیں — دو صلبی خالد و راشد اور ایک دینی نسیم — میں نے ان تینوں کے لئے جامعۃ الفلاح کا انتخاب کیا ہے۔"

صبر و عزیمت کی پیرا ہوتی آواز، افسوس! اب ہم نہیں سن سکیں گے۔ زندگی بھر کا تھکا ہارا بوڑھا مسافر اپنے رب کریم کے پاس جا پہونچا ہے۔ زندگی بھر شمع کی طرح جلتا اور پگھلتا رہا، کتنے دیئے روشن کئے، کتنوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی، کتنا خوش نصیب تھا وہ، جب اس کا شباب تھا، اعضا جوان تھے، بازوؤں میں طاقت تھی، پیروں میں توانائی بھری تھی گھر میں بیٹھا نہیں، دنیا بنائی نہیں، اس مقصد کے لئے سب کچھ لگا دیا جو اس کی زندگی کا مقصد تھا، جس سے اونچا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا۔ عمر بھر باطل کی طاقتوں سے لڑتا رہا اور ہر محاذ پر لڑا۔ کبھی وہ پست حوصلہ نہیں ہوا کہ زادِ راہ کم ہے، کبھی وہ ڈرا نہیں کہ ساری خدائی مخالف ہے۔

ایک وقت وہ بھی آیا کہ باطل سے لوہا لیتے لیتے شباب رخصت ہوا، ناتوانی کا دور آیا، اعضا نے جواب دے دیا، بازوؤں میں طاقت نہ رہی، پھر بھی اس کے حوصلوں میں فرق نہیں آیا۔ باطل کو آنکھیں دکھاتا رہا، نوجوانوں کے حوصلے بڑھاتا رہا، ایک بار اپنے جواں دم اور جواں حوصلہ ساتھیوں کو دیکھ کر اس کی زبان سے ہم نے شبلی نعمانی کا یہ شعر سنا تھا۔

کئے تھے ہم نے بھی کچھ کام جو کچھ ہم سے بن آئے — یہ قصہ جب کا ہے باقی تھا جب عہدِ شباب اپنا
مگر اب سچ ہے جو کچھ امیدیں ہیں وہ تم سے ہیں — جواں ہو تم لبِ بام آچکا ہے آفتاب اپنا

ساری قربانیوں، ساری جانفشانیوں اور زندگی بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود اس کے دل میں گھمنڈ نہیں آیا، اس نے اسے اپنا کوئی بڑا کارنامہ نہیں سمجھا، اس کا سر اور جھک گیا، اس کی جبینِ نیاز زمین سے لگ گئی اور وہ حضرت نوحؑ کی طرح تڑپ، [illegible] رب

استغفار کی دعا کرتا ہوا رخصت ہوا۔ حضرت محمدؐ کو بھی اللہ کی ہدایت تھی جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے . . . . تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرنا اور اس سے معافی مانگنا۔ عینی شاہدوں کے مطابق مولانا سید حامد علی عمر کے آخری مرحلہ میں سراپا خشوع و خضوع اور توبہ و انابت کی مجسم تصویر تھے، قرآن کا مطالعہ، رب کریم سے دعا و مناجات، اس سے گریہ وزاری گرم گرم آنسوؤں کا نذرانہ یہی کل متاع فقیر تھی اور اسی فقیری میں تمام امیروں سے بڑھ کر تھے

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر اس سے فقیری میں ہوں میں امیر

جماعت اسلامی کی جب تاریخ لکھی جائے گی ان کا نام جلی حروف میں ہوگا انہوں نے اپنا سب کچھ تحریک پر نچھاور کر دیا۔ وہ ان معدودے چند لوگوں میں سے تھے جو اپنی کشتی جلا کر دعوت تھے۔ والد کی خفگی برداشت کی، گھر بار چھوڑنا پڑا، ۱۹۴۵ء میں کالج کی سرکاری ملازمت بھی ترک کر کے ماہنامہ "زندگی" جاری کیا جسے بعد میں جماعت کے ترجمان کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ واقعہ یہ ہے کہ جب جماعت کی ابتدا تھی، اس کی بنیادیں جمی جا رہی تھیں، لوگ انہیں جانتے نہیں تھے، جو جانتے تھے وہ مخالفت پر آمادہ تھے۔ مخالفتوں کا نہ تھمنے والا ایک طوفان تھا، ان حالات میں جو لوگ سر سے کفن باندھ کر آگے بڑھے ان میں ایک مولانا سید حامد علی تھے۔ وہ اس کے چوٹی کے رہنماؤں میں رہے ہیں۔ مرکز جماعت رامپور میں رفقاء و کارکنوں کے پہلے تربیتی کیمپ (۱۹۴۹ء) کے مربی "زندگی" کے پہلے مدیر، اس کی مرکزی شوریٰ کے ممبر (۱۹۴۸ء/۱۹۸۱ء) اس کے سکریٹری اور شعبہ دعوت غیر مسلمین کے ذمہ دار (۱۹۷۲ء) بہترین خطیب، بہترین مصنف صاحب طرز ادیب، ایثار و قربانی، سادگی و قناعت اور جہد مسلسل کے پیکر۔ دعوت و اصلاح کے عملی میدان میں رہتے ہوئے ایسا کم ہوتا ہے کہ آدمی علمی میدان میں بھی خدمت کر سکے۔ ہم مولانا سید حامد علی کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تحریکی ذمہ داریاں ہیں، دعوتی مصروفیات ہیں، آئے دن کے طوفانی دورے ہیں اور دیگر گوناگوں جماعتی مشاغل ہیں لیکن اس کے باوجود علمی حیثیت سے انہیں بلند مقام پر فائز دیکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ ہمہ جہتی نظر آتا ہے۔ ایک طرف قرآن و حدیث پر گہری نگاہ ہے جو فی ظلال القرآن کے ترجمے اور حواشی اور احادیث رسولؐ سے ظاہر ہے تو دوسری جانب حکومت، جمہوریت، بدعت،

وغیرہ پر ان کا قلم بے باکی سے چلتا ہے۔ رد الحاد و دہریت پر انکی کتابوں کا سٹ اپنی مثال آپ ہے۔ "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" پر بعض بزرگوں کی جانب سے جس ذاتے اور تشویش کا اظہار کیا گیا تھا مولانا حامد علی لائق مبارکباد ہیں کہ انہوں نے "قرآنی اصطلاحات اور علمائے سلف و خلف" لکھ کر ذہنوں کو صاف کر دیا اور خلش دور کر دی۔ اس کے علاوہ متعدد دوسرے مسائل پر ان کے قلم کی جولانی ہمیں نظر آتی ہیں۔ تعدد ازدواج، اقامت دین، گوشت خوری، مسلم پرسنل لا، شرک اور توحید وغیرہ پر انہوں نے بنیادی معلومات جمع کر دی ہیں۔ جماعت اسلامی ہند کا ترجمان ماہنامہ "زندگی" ان کا ذاتی رسالہ تھا جسے انہوں نے جماعت کے حوالے کر دیا اس میں انکی تحریریں بھی انکی علمی بصیرت کا پتہ دیتی ہیں،

فرقہ وارانہ فسادات ہندوستان کا مقدر بن گئے ہیں، مولانا نے ایک کتاب "فسادات اسباب اور علاج" میں بھرپور طریقہ سے اس کے اسباب کا جائزہ لیا ہے اور اس کا حل پیش کیا ہے۔ نصابی کتابوں کے سلسلہ میں مولانا کی کتاب تیسیر القرآن قاعدہ ایک قابل قدر کوشش ہے، ناظرہ پڑھنے کے لئے بڑے آسان طریقہ سے اس میں رہنمائی کی گئی ہے۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ ساری مثالیں قرآن سے ماخوذ ہیں یہ تو تیسیر القرآن قاعدہ کی بات ہوئی۔ انگریزی پڑھے لکھے لوگوں کے اندر قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنے کے لئے مولانا کی کتاب تیسیر القرآن عربی جس کے متعدد حصے چھپ چکے ہیں ایک نادر تحفہ ہے۔ بڑے آسان انداز میں عربی زبان سکھانے کا اہتمام کیا گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کی بھی ساری مثالیں قرآن مجید ہی سے ماخوذ ہیں ساتھ ہی اس کی کلید لکھ کر اس کو اور بھی زیادہ مفید بنا دیا گیا ہے۔

استاذ محترم مولانا جلیل احسن ندوی مرحوم سے انکے خصوصی مراسم تھے۔ وہ ان کے عربی ادب کے استاد تھے، استاد و شاگرد ایک ساتھ جماعت میں داخل ہوئے اور اس مقامی جماعت کی امارت مولانا سید حامد علی کے کندھوں پر آئی جس میں ان کے استاد مولانا جلیل احسن ندوی بھی تھے۔ وہ مولانا جلیل احسن ندویؒ کی طرح علامہ حمید الدین فراہیؒ کے خوشہ چینوں میں تھے، انہوں نے انکی تحریروں اور ان کے شاگردوں سے بڑا استفادہ کیا تھا۔ جس کا ثبوت فی ظلال القرآن کے ترجموں اور اس کے حواشی میں موجود ہے۔

غیر مسلموں میں کام سے انہیں خصوصی شغف تھا۔ ان کی زندگی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلموں میں دعوت کا کام ان کے نزدیک تمام کاموں پر مقدم تھا۔ اتنا گہرا علم اور اتنا وسیع مطالعہ، اس کے باوجود سادگی، تواضع و خاکساری اور کسر نفسی مولانا کا طرۂ امتیاز ہے گھمنڈ اور تعلّی سے دور، بڑائی کا خیال نہیں، دراصل جب علم صحیح معنوں میں آتا ہے تو سر اونچا نہیں، شاخ ثمر بار کی طرح جھک جاتا ہے۔ خشیت بڑھ جاتی ہے اور گھمنڈ رخصت ہو جاتا ہے

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ — اللہ سے اس کے بندوں میں بس علماء ڈرتے ہیں

اس کے برعکس کسی نیم تعلیم یافتہ کا رخ کر لیجئے کسی بڑی شخصیت کے پاس چلے جائیے دیکھیں گے ذرا سا علم ہوگا لیکن دماغ آسمان پر ہوگا۔ ہٹو بچو، باادب، ہوشیار، دور باش کا سماں ہوگا، کوئی ٹھیک سے بات نہیں کرے گا۔

مولانا کی زندگی کے ساتھ شاید یہ حادثہ سمجھا جائیگا کہ مولانا جماعت سے ۱۹۷۰ء میں الگ ہو گئے۔ مجھے اس کے اسباب سے غرض نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ الگ ہو کر بھی الگ نہیں ہوئے۔ وہ مرد مجاہد تھے ان معدودے چند لوگوں میں سے تھے جو جماعت سے نکل کر بھی دراصل جماعت سے نہیں نکلے انہوں نے جماعت کے خلاف زبان نہیں کھولی بلکہ اسی مقصد کے لئے تادم واپسیں وقف رہے جس کے لئے جماعت میں داخل ہوئے تھے۔ برادر مکرم مقبول احمد فلاحی ان دنوں بریلی کے ناظم علاقہ تھے، مولانا کا وطن شاہجہانپور ان کے علاقہ میں تھا، مولانا گھر پر تھے۔ مقبول احمد فلاحی کا کہنا ہے کہ کہاں میں اور کہاں مولانا۔ مولانا اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے مجھ سے بہت بلند، اب وہ میری امارت میں تھے لیکن جماعت سے نکلنے کے بعد بھی اطاعت امیر میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جب جس بات کی خواہش کی گئی، جو کچھ کہا گیا، فوراً انہوں نے پورا کیا۔ آدمی کے اندر کردار کی یہ بلندی مقصد سے سچا عشق اور اخلاص و للہیت سے پیدا ہوتی ہے۔

انہیں جامعۃ الفلاح سے خصوصی تعلق تھا، اس کی مجلس تعلیمی کے ممبر تھے، یہاں

ہونے والے اتار چڑھاؤ پر انکی نگاہ تھی۔ حیات نو نظروں سے گزرتا تھا، پسند فرماتے اور کبھی کبھار مشورے بھجواتے۔ دونوں صاحبزادے خالد حامدی اور راشد حامدی نے جامعۃ الفلاح سے فضیلت پاس کیا ہے۔

مولانا سید حامد علی کوئی بھاری بھرکم جسم والے آدمی نہیں تھے، میانہ قد، ٹخنوں سے اونچا پائجامہ، انہیں دیکھ کر کوئی ہرگز یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کوئی بڑی شخصیت ہیں، لیکن ان کے میانہ قد و قامت اور سادہ لباس میں شیر کا دل اور شیر کی جوان مردی تھی۔ ان کی باتیں سن کر امیدوں کی ایک دنیا آباد ہو جاتی۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر ایک جہان نو نظر آنے لگتا

ترى الرجل النحيف فتزدريه — وفي أثوابه أسد مزير

تم کمزور و نحیف شخص کو دیکھتے ہو اور اسے حقیر سمجھتے ہو حالانکہ اس کے کپڑوں کے اندر ایک دانا وہوش مند شیر چھپا ہوتا ہے۔

مولانا حامد علی علم کی گہرائی، عمل کی پختگی، تقویٰ و طہارت کی بلندی اور مقصدیت کے لئے سچی تڑپ کے جس مقام بلند پر فائز تھے کہ اگر اس طرح کے افراد ہماری ملت کے پاس ہوں تو ہماری ملت بہت مالدار ہے۔ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ ملت اسلامیہ ہند کی قابل فخر چیزیں گناؤ تو ہم تاج محل، لال قلعہ اور قطب مینار کا نام لینے کے بجائے مولانا ابو اللیث اصلاحی ندویؒ مولانا عروج قادریؒ اور مولانا سید حامد علی جیسی شخصیت کا نام بے تکلف لیں گے اور بتائیں گے کہ دیکھو ہمارے پاس علم و عمل کے یہ بلند مینار ہیں تمہارے پاس بھی اگر ان کا بدل ہو تو پیش کرو۔ ہماری ملت کے لئے یہ تشویش کی بات نہیں کہ ہمارے پاس ڈگری ہولڈرس کم ہیں یا ملازمتوں میں مناسب نمائندگی نہیں یا دولت کی کمی ہے اس لئے خلیج کی طرف بھاگو۔ ہمارے لئے تشویش اور فکر کی بات یہ ہے کہ ہم میں علم و عمل کے پہاڑ اٹھتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ لینے کیلئے ہم اپنے کو تیار نہیں کر پاتے ہماری سب سے زیادہ توجہ اس بات پر ہونی چاہئے کہ ہم اس خلا کو کیسے پر کریں۔ ہماری نگاہیں مدارس دینیہ کی جانب اٹھتی ہیں کہ وہی اس گھٹاٹوپ اندھیرے اور مایوسی کے عالم میں امید کی کرن ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

غیر ضروری مسائل ومشکلات سے اجتناب کی ضرورت

اسلامی دعوت کی افادیت اور نتیجہ خیزی کو باقی رکھنے کی ضروری شرط یہ ہے کہ دعوت وتحریک ایجابی (مثبت) ہو، وہ خالص سلبی بن کر نہ رہ جائے کہ حکومت یا قوت ووسائل سے مسلح افراد وعناصر سے پہلے ہی مرحلہ میں ٹکرانے لگے، اپنے لئے مسائل ومشکلات پیدا کرنے لگے، اپنی ساری قوت وصلاحیت اسی ٹکراؤ میں ضائع کر دے، اور اپنے بے شمار دشمن وحریف پیدا کرلے، بے محل جد وجہد کرے، اور بغیر دشمن کے جنگ کرتی رہے۔

اس کے مقابلہ میں چاہئے یہ کہ دعوت سلبی سے زیادہ ایجابی ہو، اس نقطۂ نظر سے کام کرے کہ ایمان کو برسر اقتدار لوگوں تک پہونچانا ہے، انہیں کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا دینا ہے اور انہیں سے اسلامی نظام کو نافذ کرانا ہے، یہ مطمح نظر صحیح نہیں کہ اہل ایمان کو یا کسی خاص اسلامی اصلاحی تحریک کو اقتدار تک پہنچانے کی کوشش کی جائے، یا نظام اسلامی کی تنفیذ اور معاشرہ میں انقلاب کا حق کسی خاص جماعت کے افراد یا کچھ داعیوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

تجدید واصلاح کی بہترین مثال

مجھے اسلام میں اصلاح وتجدید کی طویل تاریخ میں کوئی ایسی مثال کوئی تحریک جس کو حیرت انگیز کامیابی ملی ہو، یا کوئی مصلح حالات میں انقلاب لانے، تاریخ کا رُخ موڑنے اور اسے نئی راہ اختیار کرنے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہوا ہو، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ) جیسی نہیں ملی[1]، حضرت مجدد صاحب کی کامیاب جد وجہد کی تصویر پیش کرنے کے لئے مقرر کی کتاب "ربانیۃ لا رہبانیۃ" کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

"ہندوستان میں شہنشاہ جلال الدین اکبر کی حکومت لا دینیت اور کھلے الحاد کا راستہ اختیار کر چکی تھی، اکبر جیسے طاقتور اور عظیم شہنشاہ نے یہ طے کر لیا تھا کہ اپنے تمام وسائل ذرائع

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت وعزیمت" جلد چہارم تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

اور طاقت وقوت کو کام میں لا کر ملک سے اسلام کی تمام خصوصیات وامتیازات کو ختم کر دے، اس کا نام ونشان مٹا دے، اس کے پاس غیر معمولی صلاحیتوں کے انتہائی ذہین لوگ اکٹھا ہو گئے تھے، جو اس کے غلط عزائم واعمال میں اس کے دست وبازو بنے ہوئے تھے، وہاں کسی کمزوری کا شائبہ بھی نہیں تھا، حکومت اپنے شباب پر تھی، پیری یا کمزوری کے آثار کا دور دور تک پتہ نہیں تھا، کسی انقلاب، تبدیلی یا بغاوت کا امکان بھی نظر نہیں آرہا تھا، علم، منطق یا ظاہری قیاس یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ حالات کا رخ بدل بھی سکتا ہے، یا حکومت اور قوم میں کوئی واضح تبدیلی آسکتی ہے۔

ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اصلاح وتجدید کے لئے تیار کیا، اس اللہ کے بندہ نے تن تنہا انقلاب کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں سنبھالا اور اپنے ایمان ویقین، عزم وتوکل اور روحانیت واخلاص کی داخلی قوت کے سہارے حالات میں انقلاب کی جد وجہد میں لگ گیا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ مغل سلطنت کا ہر وارث پہلے سے بہتر ہوا، اور آخر میں شہنشاہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر جیسا فاضل، صالح، فقیہ، مجاہد اور غیور مسلمان سریر آرائے سلطنت ہوا، اسلامی حکومتوں کی تاریخ میں جس کی مثالیں بہت کم نظر آتی ہیں، اس مبارک انقلاب کے قائد مجددی سلسلہ کے امام شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ تھے[1]۔"

احوال وظروف کی اس اصلاح وانقلاب میں حیرت انگیز کامیابی اس وجہ سے ممکن ہوئی کہ انہوں نے ایجابیت کو سلبیت پر ترجیح دی، زمام حکومت سنبھالنے والے شہنشاہ اور اس کے وزراء اور درباریوں کی اسلامی غیرت کو بیدار کیا، ان کے دلوں میں موجود ایمان کو جھنجھوڑا، ان کو وہ یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ حکومت وسلطنت نہیں چاہتے بلکہ یہ تمنا اور خواہش نہ ان کے خواب وخیال میں آتی ہے، نہ ان کے تلامذہ، مریدین یا آل اولاد کے خواب وخیال میں ـــــ بلکہ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ برہمنیت، ہندو فلسفہ اور جاہلی تہذیب وتمدن کی یلغار سے اس ملک میں جسے ان کے آباء واجداد نے اسلام کو پھیلانے کیلئے فتح کیا تھا اور اپنا خون بہایا تھا، اسلام کی مدافعت اور اسلامی قوانین کے نفاذ کی سعادت

[1] ربانیۃ لا رہبانیۃ صفحہ ۱۳۶-۱۳۸ نیز ملاحظہ ہو مقرر کا رسالہ "الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند وتطوراتہا"

شہنشاہ، اس کے وزرا اور فوجی سرداروں کو حاصل ہو۔ یہ بات ان درباریوں اور امراء کے دل میں بیٹھ گئی اور ان کا رخ بدل گیا، وہ اسلام کے خلاف جنگ اور اسلام کے آثار و نشانات کو مٹانے کے بجائے اسلام کی مدافعت کرنے لگے، اور برہمنیت اور وثنیت کے آثار کو ایک ایک کرکے مٹانا شروع کر دیا، جو اکبر کے زمانہ میں بہت زیادہ پھیل گئے تھے۔

اکبر نے گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگادی تھی، کیونکہ ہندو اس کو مقدس سمجھتے ہیں، اور اس کی پوجا کرتے ہیں، چنانچہ پورے قلمرو میں گائے ذبح کرنا جرم تھا اور اس کا ارتکاب کرنے والے کو سخت سزا دی جاتی تھی اور دوسری طرف سور کے گوشت پر کوئی پابندی نہیں تھی، اکبر کے مقابلہ میں اس کا بیٹا شہنشاہ نورالدین جہانگیر جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اخلاص و تقویٰ سے متاثر تھا، اور کچھ دنوں تک انکی صحبت سے بھی فیض یاب ہو چکا تھا، اس نے جب کانگڑہ کا قلعہ فتح کیا، جسے دوسرے مسلمان فاتحین فتح کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے، اور یہ فتح بھی ایک ہندو فوجی سپہ سالار کے ہاتھوں ہوئی تھی، جہانگیر جب اس قلعہ میں داخل ہوا تو پہلا حکم صادر کیا کہ وہاں مسجد بنائی جائے اور گائے ذبح کی جائے، اسی ایک واقعہ سے اس کے والد اور خود اس کے طرز عمل، سیاست اور نفسیات میں واضح فرق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بقیہ:- قیادت کا مقام

کہ اس پر صبر نہ کر سکتا ہو اس کا گاڑی سے اتر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ خود بھی حادثہ سے دوچار ہو اور پوری موٹر کو بھی اس کے مسافروں سمیت خطرے میں مبتلا کرے۔ تاہم اگر آپ لوگ ایک دفعہ تمام موٹر نشینوں کی مشترک ڈرائیوری کا تجربہ کرنا چاہیں تو میں آپ کو اس سے منع نہیں کرتا۔ میں اس میں بھی آپ کے ساتھ ہوں جو کچھ آپ سب کا حشر ہوگا میرا بھی ہو جائے گا۔ البتہ اس صورت میں اسٹیرنگ وہیل ہاتھ میں لینے کی ذمہ داری آپ مجھ پر ڈالنا چاہیں گے بھی تو میں اسے کبھی قبول نہیں کروں گا۔ اس اسکیم میں میری جگہ محض ایک خاموش مسافر کی ہوگی جو گاڑی اور اس کے مسافروں کی سلامتی کے لئے دعا کرنے کے سوا کچھ نہ کرے گا۔

ارشاد احمد فلاحی

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تعلیمی سہولتیں

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا وجود سنہ ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ میں ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں جامعہ دہلی لائی گئی۔ اس کے بانیوں میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں، گاندھی جی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور ڈاکٹر ذاکر حسین کے نام سر فہرست ہیں۔ ۱۹۸۸ء میں حکومت ہند نے پارلیمنٹ میں ایک بل پاس کر کے اسے مرکزی یونیورسٹی کا درجہ عطا کیا ہے۔ جامعہ میں ذریعہ تعلیم اردو ہے، لیکن انگریزی و ہندی کا استعمال بھی ہوتا ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں درج ذیل چار چیزوں کو مرکزی حیثیت دی جاتی ہے۔

(۱) تعلیم و تعلم کے میدان میں نئی کھوج اور ترقی جس سے نصاب تعلیم کی تشکیل نو کی جاتی رہے، نیز تعلیم و تدریس کے جدید طریقے اور طالب علم کی شخصیت کا عمومی نشو و نما۔ (۲) مختلف شعبہ جات کے تحت تعلیم و مطالعہ۔ (۳) بین شعبہ جاتی اسٹڈیز۔ (۴) قومی یکجہتی، سیکولرزم اور بین الاقوامی مفاہمت۔

فیکلٹیاں:- جامعہ ملیہ اسلامیہ میں مندرجہ ذیل چھ فیکلٹیاں ہیں۔

(۱) فیکلٹی آف ہیومنٹیز اینڈ لینگویجز۔ (۲) فیکلٹی آف سوشل سائنسز۔ (۳) فیکلٹی آف نیچرل سائنسز (۴) فیکلٹی آف ایجوکیشن۔ (۵) فیکلٹی آف لا (LAW) (۶) فیکلٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹکنالوجی۔

ان کے علاوہ چند تعلیمی شعبے ایسے ہیں، جو مذکورہ بالا فیکلٹیوں کے تحت نہیں آتے، بلکہ ان کی اپنی الگ شناخت ہے۔

اور وہ یہ ہیں۔

(۱) یونیورسٹی پولی ٹکنک۔ فیکلٹی آف انجینئرنگ میں آتی ہے۔ الگ اس کی کوئی شناخت نہیں ہے۔

(۲) ماس کمیونی کیشن اینڈ ریسرچ سنٹر۔ (۳) لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس۔

منظور شدہ مدارس سے آنے والے طلباء درج ذیل صرف دو فیکلٹیوں میں داخلہ کے لیے درخواستیں دے سکتے ہیں۔

(۱) فیکلٹی آف ہیومنٹیز اینڈ لینگویجز۔ (۲) فیکلٹی آف سوشل سائنسز

فیکلٹی آف نیچرل سائنسز، فیکلٹی آف انجینیرنگ اینڈ ٹکنالوجی اور یونیورسٹی پالی ٹکنک میں یہ طلباء داخلہ کے مستحق نہیں ہیں۔ فیکلٹی آف ایجوکیشن، فیکلٹی آف لا، ماس کمیونیکیشن اینڈ ریسرچ سنٹر اور لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس میں چونکہ پوسٹ گریجویٹ اور ماسٹر ڈگری کورسوں کی تعلیم ہوتی ہے اس لیے ان میں داخلہ کی درخواستیں اُسی وقت دی جا سکتی ہیں جبکہ آپ نے فیکلٹی آف ہیومنٹیز اینڈ لینگویجز یا فیکلٹی آف سوشل سائنسز سے گریجویشن (بی اے) پاس کر لیا ہو۔

فیکلٹی آف ہیومنٹیز اینڈ لینگویجز میں مندرجہ ذیل سات شعبے ہیں۔

(۱) شعبۂ تاریخ و ثقافت۔ (۲) شعبۂ اردو۔ (۳) شعبۂ اسلامک اسٹڈیز۔ (۴) شعبۂ عربی (۵) شعبہ ہندی۔ (۶) شعبۂ انگریزی۔ (۷) شعبہ فارسی

مذکورہ بالا تمام شعبوں میں بی۔ اے۔ سے لیکر پی ایچ۔ ڈی۔ تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

فیکلٹی آف سوشل سائنسز میں بھی سات شعبے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) شعبۂ معاشیات (۲) شعبۂ سیاسیات (۳) شعبہ سوشل ورک (۴) شعبہ سماجیات (۵) شعبہ نفسیات (۶) شعبہ کامرس (۷) شعبۂ تعلیم بالغان۔

مندرجہ بالا تمام شعبوں میں بی۔ اے۔ سے لیکر پی۔ ایچ۔ ڈی تک کی تعلیم ہوتی ہے، سوائے شعبۂ تعلیم بالغان کے جس میں صرف ایم۔ اے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

مختلف کورسوں میں داخلہ کی درخواستیں دینے کے لیے کم از کم بنیادی اہلیت

بی۔ اے۔ آنرز (عربی، فارسی اور اسلامک اسٹڈیز) میں داخلہ کے لیے درجہ ۱۲ کے امتحان میں (جامعۃ الفلاح کے تعلق سے عالمیت کی سند میں) مجموعی نمبر کم از کم ۴۰ فیصد ہونا لازمی ہے جب کہ انگریزی، اردو، ہندی، علم معاشیات، علم سیاسیات، علم سماجیات اور تاریخ میں

بی۔ اے آنرز میں داخلہ کے لیے مجموعی نمبر کم از کم ۴۵ فیصد ہونا لازمی ہے۔ بی اے آنرز سوشل ورک اور علم نفسیات میں داخلہ کے لیے مجموعی نمبر کم از کم ۵۰ فیصد ہونا چاہیے

انگریزی، نفسیات، سیاسیات، معاشیات، سوشل ورک اور تاریخ میں بی اے آنرز میں داخلہ کے لیے ۸۰ نمبر کا ایک ٹسٹ اور ۲۰ نمبر کا ایک انٹرویو ہوتا ہے۔

بی۔ اے آنرز جغرافیہ میں داخلہ کے لیے جغرافیہ کے مضمون میں کم از کم ۵۰ فیصد نمبر ہونا لازمی ہے۔ یا مجموعی طور پر ۵۵ فیصد نمبر ہونا چاہیے جس میں جغرافیہ کا بحیثیت مضمون کے ہونا لازمی ہے

(نوٹ): شعبۂ جغرافیہ جامعہ میں فیکلٹی آف نیچرل سائنس کے تحت آتا ہے۔ اس مضمون میں بی۔ اے۔، بی۔ ایس سی۔ اور ایم۔ اے۔، ایم۔ ایس سی۔ دونوں ہوتا ہے)۔

B.A. (PASS) بی اے (پاس)

اوپر جتنے شعبوں کا ذکر آیا ہے ان میں بی۔ اے۔ آنرز کے علاوہ بی۔ اے پاس کی سہولت بھی ہے۔

B.A (PASS) AND B.A (HONOURS) بی۔ اے۔ آنرز اور بی اے۔ پاس کا فرق

بی۔ اے۔ آنرز اور بی۔ اے۔ پاس دونوں کورسوں میں تین تین مضامین چننے ہوتے ہیں۔ بی اے آنرز میں ان تینوں مضمونوں میں سے ایک مضمون "مین سبجکٹ" کہلاتا ہے جو کہ بی اے کے تینوں سال تک پڑھایا جاتا ہے جبکہ بقیہ دو مضامین دوسرے سال تک ہی محدود رہتے ہیں۔ بی۔ اے پاس میں تینوں مضامین برابر کی حیثیت رکھتے ہیں اور بی اے کے تینوں سال تک جاری رہتے ہیں بہت سی یونیورسٹیوں میں بی اے پاس نہیں ہے۔

مشورے: مدارس کے وہ تمام طلباء جو فراغت کے بعد کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں ان سے میں کہنا چاہوں گا کہ آپ یونیورسٹی کا رخ کرنے سے بہت پہلے فرصت میں اچھی طرح سے سوچ لیں کہ آپ کے یہاں آکر تعلیم حاصل کرنے کا کیا مقصد ہے۔ آپ مستقبل میں فی الواقع کیا کرنا یا کیا بننا چاہتے ہیں۔ چونکہ اپنی نفسیات اپنی دلچسپی اور اپنے مزاج سے آپ سب سے بہتر طور پر واقف ہیں۔ اس لیے یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے

اور جو اس کی روشنی میں آپ مضمون کا انتخاب کریں
ذیل میں چند ایک کورسوں کا بطور خاص ذکر کرتا ہوں۔

بی۔ اے۔ آنرز عربی

اس کورس میں یہاں جو نصاب رائج ہے وہ دراصل اسکولوں سے آنے والے طلباء کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے اور اسکولوں میں عربی کے معیار سے آپ بخوبی واقف ہوں گے۔ چنانچہ مدارس کے طلباء جب اس کورس میں داخلہ لیتے ہیں، تو ان میں سے کتنوں کی دلچسپی جاتی رہتی ہے اور وہ ایک غیر اطمینان کیفیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ یا تو آپ اس کورس میں داخلہ نہ لیں اور اگر سوچ سمجھ کر لیتے ہیں تو ذاتی طور پر الگ سے عربی ادب کا مطالعہ جاری رکھیں اور باقی اوقات کو دوسرے مضامین کی تیاری میں لگائیں جو کہ آپ کے لئے ایک طرح سے نئے ہونے چاہئیں۔

بی۔ اے۔ آنرز انگریزی۔

میری نگاہ میں یہ کورس کئی وجوہ کی بنا پر بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اول تو یہ کہ اسلامی علوم وفنون اور اسلامی ادب کا جو عظیم الشان ذخیرہ ہے وہ ابھی تک محض چند زبانوں تک محدود ہے۔ انگریزی دنیا کی ان زبانوں میں سے ایک ہے جن میں آج اسلامی تعلیمات کو منتقل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ آپ اس زبان میں اعلیٰ صلاحیت پیدا کر کے یہ کام بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں انگریزی کے اساتذہ کی ضرورت دوسرے مضمونوں کے مقابلے یکسر زیادہ دیکھی جاتی ہے۔ اور تو اور خود مدارس میں باصلاحیت انگریزی کے اساتذہ کی ہمیشہ سے محسوس کی جاتی رہی ہے۔ علاوہ ازیں عرب ممالک میں "مدرس انجلیزی" کی جگہیں برابر نکلتی رہتی ہیں اور اس کمی کو دوسری اقوام کے لوگ پورا کرتے ہیں۔

علی گڑھ میں: - کورس میں داخلہ کیلئے ٹسٹ نہیں ہوتا ہے، بلکہ فیصد کی بنیاد پر داخلہ دیا جاتا ہے۔

بی۔ اے۔ آنرز سیاسیات و بی۔ اے۔ آنرز معاشیات۔

اگر آپ ان دونوں کورسوں میں سے کسی ایک میں داخلہ لینے کا ارادہ رکھتے ہوں تو یہ ایک قابل ستائش امر ہے۔ چونکہ سیاسیات ومعاشیات غیر اسلامی بنیادوں پر قائم ہیں اس لئے آپ ان کا ایک مشن کے تحت مطالعہ کریں اور آگے چل کر اسلامی سیاسیات ومعاشیات سے ان کا موازنہ کریں یہ آپ کی جانب سے اسلامی سیاسیات ومعشیت کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی اور اسلامی تعلیمات کے اس اہم گوشے میں ایک گراں قدر اضافہ ہوگا۔

بی۔ یو۔ ایم۔ ایس۔ (بیچلر آف یونانی میڈیسن اینڈ سرجری)

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں یہ کورس نہیں ہے۔ لیکن اس کی افادیت کے پیش نظر میں نے اس کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھا۔ یہ کورس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ہمدرد میں پڑھایا جاتا ہے۔ علی گڑھ میں فارم جمع کرنے کی آخری تاریخ گذر چکی ہے اور ہمدرد میں مئی کے آخر تک فارم نکلنے کی امید کیجاتی ہے۔

ملک میں معاشی بحران، بے روزگاری کا دور دورہ اوپر سے مسلمانوں کے ساتھ حکومت کا سوتیلا برتاؤ ــــ اس پس منظر میں اگر اس کورس کو دیکھا جائے تو اس کی اہمیت وافادیت دوبالا ہو جاتی ہے۔ بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ حتی کہ پی ایچ ڈی کرنے کے بعد بھی ذریعہ معاش کے آثار دکھائی نہیں دیتے ــــ نتیجۃً ایسے شخص کو بہت افسوس ہوتا ہے اور وہ اس مرحلہ میں پہنچ کر کوئی اور کام کرنے سے اپنے آپ کو مجبور وبے بس پاتا ہے۔ لیکن بی۔ یو۔ ایم۔ ایس کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، یہ کورس لمبا ضرور ہے مگر اس کا مستقبل طے اور جانا پہچانا ہے۔

بقیہ روداد انجمن

(ب) جامعہ ہمدرد۔ محمد اکرم فلاحی، محمد عاصم فلاحی اور عبدالرحمٰن فلاحی ہمدرد ہاسٹل کمرہ نمبر ۲۳

(ج) ایس آئی او ہیڈ کوارٹر۔ نادر عزیزی فلاحی، ۲۳۰ ابوالفضل انکلیو نئی دہلی ۲۵

(د) ایس آئی او ایم سنٹر، قیصر پرویز فلاحی، ۱۵ سی ذاکر نگر نئی دہلی ۲۵

محمد الیاس الاعظمی ایم اے

علامہ حمید الدین فراہیؒ

فن اور شخصیت

مولانا حمید الدین فراہی کا شمار ان علماء و مفکرین اور یگانہ روزگار لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مدۃ العمر قرآن پاک کو سینے سے لگائے رکھا اور قرآنی علم و فہم تدبر و تفکر اور غور و خوض کو اصل مرکز و محور قرار دیا اور اپنی قیمتی تصانیف و خیالات سے نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ہندوستان کا نام روشن کیا۔

مولانا فراہی اپنے علم و فضل تبحر و جامعیت زہد و ورع عبادت و ریاضت اور مختلف النوع خصوصیات کی بنا پر علمی دنیا میں عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں وہ نہ صرف قدیم صالح روایات کے حامل و پاسبان تھے بلکہ جدید علوم میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے انہیں شعر و ادب لغت ترجمہ و تفسیر نحو و صرف اور قرآنی علوم میں غیر معمولی درک و بصیرت حاصل تھی جس کا بہترین مظہر ان کی غیر معمولی اور بیش قیمت تصانیف ہیں۔

مولانا فراہی ضلع اعظم گڈھ کے ایک گاؤں پھریہا میں ۱۸ رنومبر ۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مروجہ دستور کے مطابق گھر ہی پر حاصل کی جس میں ناظرہ اور حفظ قرآن بھی شامل ہے اس کے بعد اپنے پھوپھی زاد بھائی اور شہرہ آفاق مصنف علامہ شبلی نعمانی سے عربی فارسی اور علوم اسلامیہ کی تحصیل و تکمیل کی پھر مولانا عبد الحئی فرنگی محلی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری جیسے نابغہ روزگار علماء کی خدمت میں حاضری دی اور فقہ و ادب عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

علوم اسلامیہ کی تحصیل و تکمیل کے بعد علوم جدیدہ کی طلب و جستجو پیدا ہوئی چنانچہ انہوں نے کرنل گنج اسکول الہ آباد سے پہلے میٹرک اور پھر انٹرنس پاس کیا اس کے بعد ۱۸۹۱ء میں علوم جدیدہ کے مرکز علی گڈھ کالج گئے جہاں سر سید احمد خاں علامہ شبلی نعمانی

اور پروفیسر آرنلڈ جیسے جہاندیدہ علم داں اور مختلف جدید علوم و فنون کے ماہرین موجود تھے مولانا فراہی نے یہاں سے بی اے پاس کیا چونکہ یہ کالج اس وقت الہ آباد یونیورسٹی سے ملحق تھا اس لئے مشہور ہے کہ مولانا فراہی نے الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کیا، مولانا فراہی نے ایم اے۔ ایل ایل۔ بی کی بھی تیاری کی مگر امتحان میں شریک نہ ہو سکے۔ علی گڈھ میں مولانا فراہی کو عربی و فارسی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا یہاں انہوں نے انگریزی زبان و ادب اور فلسفہ جدیدہ کی تعلیم حاصل کی یہیں انہوں نے پروفیسر جوزف ہارویز سے عبرانی زبان پڑھنی شروع کی اور اس زبان میں بھی غیر معمولی مہارت و حذاقت پیدا کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا فراہی نے مدرسۃ الاسلام کراچی میں عربی پروفیسر کی حیثیت سے درس و تدریس کا آغاز کیا اور وہاں کئی سال تک اس میں مصروف رہے اسی زمانہ میں لارڈ کرزن کے ساتھ سواحل عرب اور خلیجی ممالک کے سفر میں ترجمانی کے فرائض انجام دیئے مولانا فراہی یہ کام کرنا نہیں چاہتے تھے مگر اپنے استاد علامہ شبلی نعمانی کے دباؤ کے آگے جھکنا پڑا لیکن مولانا فراہی زندگی بھر اسے ایک داغ سمجھتے رہے اور اس کا تذکرہ سننا گوارہ نہیں کرتے تھے۔

اس سفر کے بعد مولانا فراہی نے مدرسۃ الاسلام کراچی کو خیرباد کہا اور علی گڈھ میں عربی کے استاد مقرر ہوئے کچھ دنوں کے بعد اسے بھی چھوڑ دیا اور الہ آباد چلے آئے جہاں عربی ہی کے پروفیسر مقرر ہوئے یہیں مشرقی علوم کی عربی کمیٹی اور عربی و فارسی اور اردو و ہندی بورڈ آف اگزامس کے رکن منتخب ہوئے پھر یہیں سے دار العلوم حیدرآباد میں پرنسپل شپ کے لئے مولانا کا انتخاب عمل میں آیا یہاں انہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ ایک ایسی یونیورسٹی کا تخیل پیش کیا جس میں تمام علوم و فنون کی تعلیم مادری زبان میں دی جائے مولانا فراہی کے اسی تخیل کے نتیجہ میں جامعہ عثمانیہ وجود میں آیا۔

مولانا فراہی ایک عرصہ تک دار العلوم حیدرآباد میں رہے اور بڑی خدمت انجام

دیا گیا انہیں کتب خانہ آصفیہ کی مجلس انتظامیہ کا رکن اور کمیٹی امتحانات السنہ شرقیہ کا صدر مقرر کیا گیا اس کے بعد مولانا فراہی نے بعض ذاتی وجوہات کی بنا پر استعفا دیدیا اور سنہ ۱۹۱۹ء میں حیدرآباد سے اپنے وطن اعظم گڑھ چلے آئے اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کو اپنی علمی و فکری آماجگاہ بنایا اور پوری زندگی اسی مدرسہ کی خدمت میں گذار دی۔

مولانا فراہی عربی و فارسی اردو و انگریزی اور عبرانی کئی زبانوں پر مکمل عبور و دسترس رکھتے تھے ان کی بیشتر تصانیف اگرچہ عربی میں ہیں لیکن اردو و فارسی اور انگریزی زبانوں میں بھی ان کی تصانیف ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں مذکورہ زبانوں پر یکساں قدرت و مہارت حاصل تھی۔

مولانا فراہی نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن کی تعداد تیس 30 سے زیادہ بتائی جاتی ہے تصنیفی کام کا آغاز دور طالب علمی میں ہوا سر سید کی فرمائش پر علامہ شبلی نعمانی کے رسالہ تاریخ بدالاسلام اور طبقات ابن سعد کے ایک جز کا فارسی میں ترجمہ کیا جو سر سید کو بہت پسند آیا اور انہوں نے اسے ایم اے او کالج کے نصاب میں داخل کر لیا۔

مولانا فراہی بہت اچھے شاعر تھے اور عربی و فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے عربی کلام کا مجموعہ دیوان حمید اور فارسی کلام کا مجموعہ نوائے پہلوی کے ناموں سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے اس کے علاوہ مواعظ سلیمانی کا منظوم ترجمہ بھی کیا جو خرد نامہ کے نام سے شائع ہوا۔ شیخ تقی الدین ہلالی کا بیان ہے کہ:-

علامہ حمید الدین کا ایک عربی دیوان ہے جس کا کچھ حصہ میں نے خود ان سے سنا ہے بہت ہی فصیح و بلیغ اور دل پذیر ہے مسلمانوں کے حوصلوں کو بلند کرنے والا ان کے اندر زندگی کی روح پھونک دینے والا جنگ طرابلس جنگ عظیم اور انگریزوں کی اسلام دشمنی کا تذکرہ بہت ہی مؤثر انداز میں ہے علامہ عربی بولنے پر پوری طرح قادر ہیں زبان انتہائی فصیح و بلیغ ہے علمائے ہند تو کیا علمائے عرب میں بھی ایسے قادر الکلام خال خال ہیں۔ (الضیاء رجب ۱۳۵۲ھ) مولانا فراہی کے فارسی کلام کا مجموعہ "نوائے پہلوی" جب شائع ہوا تو ان کی فارسی دانی کا شہرہ ملک کے گوشے گوشے میں ہو گیا علامہ شبلی نعمانی نے

اس کی ایک کاپی مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کو ارسال کرتے ہوئے لکھا مولوی عزیزی حمید الدین کا کچھ کلام چھپ گیا ہے ایک نسخہ ارسال خدمت ہے آخر کے دونوں قصیدے ملاحظہ فرمائیے فارسی زبان اس کا نام ہے:۔ (مکاتیب شبلی ۱/۱۲۴)

قیام علی گڑھ میں انہوں نے نحو و صرف کے دو رسالے لکھے جو بعد میں اسباق النحو اول و دوم کے نام سے شائع ہوئے یہ رسالے آج بھی بعض مدارس کے نصاب میں داخل ہیں۔

مولانا فراہی نے مختلف علوم و فنون میں کتابیں لکھیں انکی چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ جمہرۃ البلاغۃ ۲۔ القائد الی عیون العقائد ۳۔ الرأی الصحیح فیمن ہو الذبیح ۴۔ مفردات القرآن ۵۔ الامعان فی اقسام القرآن ۶۔ فی ملکوت اللہ ۷۔ دلائل النظام ۸۔ التکمیل فی اصول التاویل ۹۔ اسالیب القرآن ۱۰۔ فاتحہ نظام القرآن ۱۱۔ امثال آصف الحکیم۔

اس کے علاوہ بقول ڈاکٹر اجمل صاحب تقریباً تیس کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ مولانا فراہی اصلاً مفسر تھے قرآن پاک کی بہت سی سورتوں کی تفسیر لکھی اور اس میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں۔

علامہ فراہی ایک بڑے درجہ کے محقق تھے انہوں نے اپنی تفسیروں میں تحقیق کا ایسا خاص منہج اسلوب اختیار کیا ہے جو دوسرے مفسرین کے اسالیب سے بہت کچھ مختلف ہے اس اسلوب خاص سے انہوں نے جو مطالب اخذ کئے ہیں اور آیات کے جو معانی متعین کئے ہیں ان میں اختلاف کی اتنی ہی گنجائش ہے جیسی دوسرے مفسرین کے نتائج تحقیق میں لیکن ان کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ناظر کے زاویہ نظر کو وسیع کرتا ہے اور قرآن مجید کے معانی و مطالب سمجھنے کے لئے تحقیق و تفحص اور مواد علمی کے وسیع تر میدانوں کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

(ترجمان القرآن ۱/۸ ص ۹۶)

لیکن مولانا فراہی کا سب سے اہم کارنامہ ان اصول و ضوابط مناہج اور طریقہ تفسیر کی وضاحت ہے جو فن تفسیر میں ان کو اعلیٰ مقام پر فائز کرتا ہے مولانا فراہی کا بنیادی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے نظم قرآن کا محقق اور مبسوط نظریہ پیش کیا۔

مشہور ادارہ دار المصنفین اعظم گڑھ کے قیام و تاسیس میں بھی مولانا فراہی کا گرانقدر حصہ ہے وہ تاحیات اس ادارہ کی مجلس انتظامیہ کے صدر رہے اور اس کے کاموں میں دلچسپی سے حصہ لیتے رہے علامہ شبلی کی وفات کے بعد ان کے ادھورے کاموں کی تکمیل کے لئے جو کمیٹی اخوان الصفا کے نام سے تشکیل دی گئی تھی اسکے صدر مولانا فراہی ہی تھے، مشہورۂ آفاق کتاب سیرۃ النبی کی تالیف میں بھی انھوں نے حصہ لیا جس کا ذکر خود مولانا سید سلیمان ندوی نے بعض مقامات پر کیا ہے۔

مولانا فراہی نے ۱۱ر نومبر ۱۹۳۰ء میں متھرا میں وفات پائی جہاں وہ اپنے علاج کے سلسلے میں گئے تھے اور وہیں انکی تدفین بھی عمل میں آئی۔

جزی اللہ بالخیرات عنا ائمۃ ٭ لنا نقلوا القرآن عذبا و سلسلا

بقیہ: بوڑھے معذور نیڈر

غار کے دہانے پر باندھ دیئے جائیں غار کی تاریکی میں چاہے آپ کتنا ہی دور نکل جائیں واپسی پر گھوڑیاں ہر حال میں بچھیروں تک واپس آجائیں گی۔ تب سکندر نے اس بوڑھے آدمی کو بلا کر عزت دی اور اسے انعام دیا۔ کتنا اچھا اولڈ گارڈ ثابت ہوا۔ خدا نے زندگی اور خاندان کا گلدستہ بوڑھوں، جوانوں، مردوں، عورتوں .... اور بچوں کو جمع کرکے بنایا ہے۔ اس کو بگاڑنے سے پوری فکر اور تہذیب بگڑ کر رہ جاتی ہے۔

بقیہ: اخبار علمیہ

کو دنیا تمام سب سے بڑا کشت و ذخیرہ قرار دیا۔ مسجد نبوی میں خطاطی کا یہ کام ترکی استاد عبداللہ زہدی نے ۱۴ سال میں مکمل کیا۔ اس مسجد میں ۱۶۰ گنبد ہیں اور ہر گنبد ۱۵ ڈائی میٹر پر مشتمل ہے اس میں خطاطی کے علاوہ ۶۰ میٹر کی تین پٹیاں (رپٹیاں) عبداللہ زہدی کے فن کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

(ہفت روزہ تکبیر ۱۳ر مئی ۱۹۹۳ء کراچی پاکستان)

عبدالبر اثری فلاحی

تعارف و تبصرہ

نام کتاب	رسائل مسیح الملک
مصنف	حکیم محمد اجمل خاں
مترجم	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی
ضخامت	۱۳۶ صفحات
قیمت	غیر مذکور
کتابت و طباعت	مناسب
ملنے کا پتہ	(۱) اسلامک بک ہاؤس نمائش مارکیٹ علی گڑھ (۲) مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی پان والی کوٹھی دودھ پور علیگڑھ

حکیم محمد اجمل خاں جنہیں ۱۹۰۸ء میں حکومت ہند نے انکی صلاحیت و لیاقت کے اعتراف کے طور پر "حاذق الملک" کا خطاب عطا کیا تھا اور ۱۹۲۰ء میں تحریک عدم موالات کے موقع پر یہ تمغہ اور طلائی تمغہ واپس کر دینے پر قوم نے "مسیح الملک" کے خطاب سے نوازا تھا — یہ کتاب انہیں کے طبی رسائل کا اردو ترجمہ ہے۔ اصلاً یہ رسائل عربی زبان میں لکھے گئے تھے انہیں سے اکثر آپ کی حیات ہی میں شائع ہوئے تھے لیکن پھر ان کے دوبارہ اشاعت کی نوبت نہیں آسکی تھی لہذا اب وہ تقریباً نایاب ہیں، ضرورت تھی کہ ان گوہر پاروں کو منظر عام پر لایا جائے نیز محترمی ڈاکٹر رضی الاسلام صاحب ندوی نے انہیں اردو کا جامہ پہنا کر مزید احسان کیا ہے خصوصاً اردو خواں طبقہ پر کیونکہ حکیم اجمل خاں کے عربی رسائل کے مطالعہ اور استفادہ سے یہ طبقہ اب تک یکسر محروم تھا۔

اس کتاب میں درج ذیل رسائل کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(۱) التحفۃ الحامدیۃ فی الصناعۃ التکلیسیۃ

(۲) اوراق مزهرق منمق

(۳) الساعاتیہ

(۴) البیان الحسن بشرح المعجون المسمیٰ باکسیر البدن

(۵) خمس مسائل

(۶) الوجیزة

(۷) القول المرغوب فی الماء المشروب

(۸) (بطور ضمیمہ) التحقیق المطلوب فی الماء المشروب

موخر الذکر رسالہ جو بطور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے یہ حکیم اجمل خاں صاحب کا نہیں ہے بلکہ یہ شفاء الملک حکیم عبداللطیف صاحب لکھنوی کا لکھا ہوا ہے جو انہوں نے حکیم اجمل خاں صاحب کے رسالہ "القول المرغوب فی الماء المشروب" پر بطور تنقید و استدراک تحریر فرمایا تھا۔

اس کے علاوہ: حکیم اجمل خاں صاحب کے اور بعض رسائل پر تنقید و استدراکات لکھے گئے ہیں لیکن انہیں چھوڑنا اور صرف اسے شامل کرنا کن اسباب کے تحت ہے سمجھ میں نہیں آیا۔

فن طب میرا میدان نہیں ہے لہذا مجھے کوئی حق نہیں کہ میں اس پہلو سے کلام کروں یہ کتاب بھی فن طب پر ہے اس لئے اس پہلو سے میں کوئی کلام نہیں کروں گا البتہ دیگر پہلوؤں سے چند معروضات نوک قلم پر لانا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) ترجمانی میں ایسے افراد کی رعایت نہیں کی گئی ہے جو بالکلیہ عربی سے نابلد ہوتے ہیں کیونکہ بغیر عربی کی شدبد کے اس ترجمے کو بھی آسانی سے کماحقہ سمجھنا مشکل ہے۔ میں بطور مثال صرف ایک جملہ نقل کرتا ہوں ورنہ اس طرح کی مثالوں سے پوری کتاب بھری ہوئی ہے ص ۹۴ پر لکھتے ہیں "جس طرح خنصر انبساط کی سرعت اور انقباض کے بطوء کو محسوس کرے گی اسی طرح بنصر، وسطی اور سبابہ بھی"۔

یہ خنصر، بنصر، وسطی اور سبابہ جو انگلیوں کے نام ہیں اسے عربی سے نابلد بغیر ترجمہ

یا وضاحت کے کیسے سمجھ سکتا ہے؟ یا یہ انبساط، سرعت، انقباض اور بطوء کیا انہیں مزید سہل نہیں کیا جا سکتا؟

(۲) وہ الفاظ جو عربی سے منتقل ہو کر اردو میں مستعمل ہیں اور دونوں زبانوں میں اس کا رسم الخط الگ الگ ہے تو ہر زبان کے لحاظ سے اس کا رسم الخط اختیار کرنا چاہئے۔ مثلاً دواء، املاء اور اکتفاء یہ عربی رسم الخط ہے یہی الفاظ اردو میں دوا، املا، اکتفا کی شکل میں لکھے جاتے ہیں لہذا اردو میں ان کا اردو رسم الخط استعمال ہونا چاہئے۔ جب کہ اس کی رعایت نہیں کی گئی ہے۔ دیکھئے ص ۵۵، ص ۷۷، ص ۱۰۰ اس کے برخلاف جہاں ہمزہ (ء) اردو رسم الخط میں بھی لکھا جانا چاہئے وہاں نہیں لکھا گیا ہے مثلاً دیکھئے ص ۱۸ اور ص ۱۲۶ پر لفظ اعضا بغیر ہمزہ (ء) کے لکھا گیا ہے۔

(۳) کتابت کی بعض غلطیاں بھی نظر آئیں۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹	۱۴	گوناں گوں	گوناگوں
۵۴	۱۱	تصقر	تغیر
۵۹	۱	کرانا	کرنا
۶۹	۴	ولادت	ولایت
۷۶	۲	تربیت	ترتیب

(۴) متفرقات

ص ۸ پر "... ملاحت نمکینی محسوس ہوتی ہے" ملاحت اور نمکینی میں سے کوئی ایک لفظ ہونا چاہئے۔ ص ۸۶ پر "... نار فارسی (   ) کیلئے ایک دوا تجویز کی ہے" یا تو قوسین میں متبادل لکھنا چاہئے تھا یا پھر قوسین دینا ہی نہیں چاہئے تھا۔

ص ۱۰۱ پر گیارہویں سطر میں "ممکن" کے بعد لفظ "ہے" چھوٹ گیا ہے ص ۱۲۵ پر آخری سطر میں بات کے بعد لفظ "میں" چھوٹ گیا ہے۔ ص ۱۴۲ پر عربی مصرعہ "والناس فیما یعشقون مذاہب" کا ترجمہ دینا چاہئے تھا۔

غزل

قمر رسولپوری
بین رسول پور اعظم گڑھ

بکھرے پھولوں کو چن چن کر گوندھ رہا ہوں تاروں میں
ڈر لگتا ہے نام نہ شامل ہو جائے فنکاروں ... میں

اپنی دھن میں مست و مگن ہیں گیت بھی گاتے جاتے ہیں
اطمینان ہے دیکھو کتنا ان مفلس بنجاروں میں

میل مروت صلح و اخوت سب کے سب نایاب ہوئے
کچھ دیوانے ڈھونڈ رہے ہیں ماضی کے شہپاروں میں

خودداری عصمت الفت ہر چیز کا سودا ہوتا ہے
کتنے سستے بک جاتے ہیں یہ ہیرے بازاروں میں

اک دیوانہ امن کی باتیں کرتا تھا چوراہے پر
آج میں اس کو دیکھ رہا ہوں پتھر کی دیواروں میں

گل بوسی کا شوق مبارک لیکن یہ بھی یاد رہے
کانٹے اکثر چبھ جاتے ہیں ہونٹوں میں رخساروں میں

کتنی گودیں خالی سونی کتنے گھر ویران ہوئے
ایسی خبریں کم چھپتی ہیں آج کے ان اخباروں میں

یہ بھی ایک لطیفہ کہئے اہل ہوس بھی آج قمر
امن و سکوں کو ڈھونڈ رہے ہیں نفرت کے انگاروں میں

محمد خالد ندوی غازیپوری

محرم کی بدعات

محرم الحرام کا چاند نظر آیا اور غم کا سماں طاری ہو گیا، کہیں نوحہ خوانی ہے تو کہیں مرثیہ خوانی۔ علم، دلدل، تعزیے، ڈھول اور تاشوں کا شور، بدعات و خرافات کا وہ زور کہ الامان و الحفیظ۔ حالانکہ تعزیہ سازی کا ناجائز ہونا اور اس کا خلاف دین و ایمان ہونا ظاہر و باہر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

"اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ" کیا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جنکو خود تراشتے ہو۔

ظاہر ہے کہ تعزیہ انسان اپنے ہاتھ سے بانس کو تراش کر (عام طور پر) بناتا ہے اور پھر منت مانی جاتی ہے اور اس سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، اس کے سامنے اولاد و صحت کی دعائیں کی جاتی ہیں، سجدہ کیا جاتا ہے، اس کی زیارت کو زیارت حسین رضی سمجھا جاتا ہے کیا یہ سب باتیں روح ایمان اور تعلیم اسلام کے خلاف نہیں ہیں۔

علامہ حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ رافضیوں کی برائی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ امام حسین رضی کی قبر کی تصویر بناتے ہیں اور اسکو مزین کر کے گلی کوچوں میں لے کر گشت کرتے ہیں اور یا حسینا یا حسین پکارتے ہیں اور فضول خرچ کرتے ہیں یہ سب باتیں بدعت و ناجائز ہیں (ص ۱۸۰ فتاوی احیاء العلوم مبارکپور)۔

حضرت سید احمد بریلوی رح فرماتے ہیں۔

"رافضیوں کی جو بدعتیں ہندوستان میں بہت زیادہ مشہور و معروف ہیں انہیں میں سے ماہ محرم میں بزعم خویش محبت حسین رضی میں ماتم اور تعزیہ سازی ہے، یہ بدعت چند چیزوں پر مشتمل ہے مثلاً قبر اور مقبرہ کی نقل، علم و شدہ وغیرہ۔

یہ چیزیں بالبداہت بت سازی اور بت پرستی کے قبیل سے ہیں۔"

(صراط مستقیم ص ۵۹)

اس مسئلہ میں بریلوی دیوبندی کا اختلاف نہیں ہے جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی تحریر فرماتے ہیں "اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے جو قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے"

(رسالہ تعزیہ داری صفحہ)

مولانا امجد علی صاحب اعظمی رضوی تحریر فرماتے ہیں کہ علم اور تعزیہ بنانے اور پیک بننے اور محرم میں بچوں کو فقیر بنانے اور بدھی پہنانے اور مرثیہ کی مجلس کرنے اور تعزیوں پر نیاز دلوانے وغیرہ خرافات جو روافض اور تعزیہ دار لوگ کرتے ہیں انکی منت سخت جہالت ہے ایسی منت نہ چاہئے اور اگر مانی ہو تو پوری نہ کرے۔ (بہار شریعت ج ۹ صفحہ ۴۸)

نیز اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں: "تعزیہ داری کہ واقعات کربلا کے سلسلہ میں طرح طرح کے ڈھانچے بناتے اور ان کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ پاک کی شبیہ کہتے ہیں اور علم و شدے نکالتے ہیں، ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجاتے ہیں تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے، اور وہاں شربت مالیدہ وغیرہ پر فاتحہ دلواتے ہیں، یہ تصور کرکے کہ حضرت امام عالی مقام کے روضہ اور مواجہ اقدس کا فاتحہ دلا رہے ہیں۔ پھر تیجہ، دسواں، چالیسواں سب کچھ کیا جاتا ہے اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے، ایسی بری حرکت اسلام ہرگز جائز نہیں رکھتا۔

(بہار شریعت ج ۱۶ صفحہ ۲۲)

غزل

ادریس ضیاء
کلا تھ مارکیٹ اعلیٰ پور (بدایوں)

محروم رہے کس لئے پھولوں کی طرف سے
آغاز سفر جس کا ہو کانٹوں کی طرف سے

میں اس کو نظر آتا تو کیسے نظر آتا
وہ دیکھ رہا تھا مجھے پیڑوں کی طرف سے

شاید ہے معیت میں قبیلے کا کوئی فرد
اک شور سا برپا ہے پرندوں کی طرف سے

اس جرم کی اک روز سزا پائیں گے ہم بھی
منہ پھیر کے گذرے ہیں پہاڑوں کی طرف سے

ہر تیغ لکھی جاتی ہے نام ان کے ہی اکثر
جو لوگ کہ محفوظ ہیں اینٹوں کی طرف سے

ماں باپ کا یہ خواب بکھر ہی گیا — آخر
آرام ملے گا کبھی بیٹوں کی طرف سے

ہم سب میں فقط در ہے ضیا کون زیادہ
ہر روز سوال اٹھتا ہے بونوں کی طرف سے

اخبار علمیہ

ابن العلم فلاحی کے قلم سے

بھگوت گیتا اردو میں شائع ہوگئی

پٹنہ: ... خدا بخش لائبریری نے "نغمۂ خداوندی" کے نام سے گیتا کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے جو مولانا آزاد کے سکریٹری محمد اجمل خاں مرحوم کے قلم سے ہے گیتا ہندو مذہب کی بنیادی کتابوں میں ہے، یہ خبر جاری کرتے ہوئے لائبریری کے پریس نوٹ میں کہا گیا ہے کہ ہندو فکر کو سمجھنا ضروری ہے، اسلام کیا ہے یہ ہندوؤں کو مطالعہ کرنا چاہئے اور ہندو مت کیا ہے یہ مسلمانوں کو سمجھنا ضروری ہے......

اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں ایک بسیط مقدمہ ہے جس میں ہندوستان کے پرانے زمانے کی مختصر تاریخ ہے اور ہندوؤں کے مذہبی مسئلوں پر بحث ہے شری کرشن جی کی زندگی پر نظر ڈالی گئی ہے اور ان کے متعلق چند مسلمان صوفیوں اور اہل قلم کی رائے دی ہے اس کے بعد بھگوت گیتا کی تعلیم پر فلسفیانہ بحث ہے۔

دوسرے حصے میں ترجمہ ہے مترجم نے ہندو فلسفہ کی اصطلاحوں کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور جگہ جگہ کلام مجید، احادیث اور صوفیائے کرام کے اقوال کے حوالے دیکر یہ دکھلایا ہے کہ بنیادی طور پر تمام ہادیان مذاہب اوتاروں، سنتوں، پیغمبروں، پیروں، رشیوں اور اولیاء اللہ کی تعلیم اور ان کے اصول ایک ہی ہیں۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۸ مئی ۱۹۹۳ء صفحہ ۵)

یوپی کے مسلم اداروں اور تنظیموں کی ڈائرکٹری

یوپی رابطہ کمیٹی کی جانب سے اترپردیش کے تمام مسلم تعلیمی اداروں، رشتوں دینی مدارس اور رضاکارانہ تنظیموں کی ایک ڈائرکٹری کمیٹی کے سکریٹری جناب راحت ابرار کی نگرانی میں مرتب کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے تعلق سے ہندوستان میں شائع ہونے والی اپنی نوعیت کی یہ پہلی ڈائرکٹری ہے۔ تقریباً سو صفحات پر مشتمل اس ڈائرکٹری کی قیمت ۱۰۰ روپیہ ہے۔

(رابطہ یکم مئی ۱۹۹۳ء ج ۲ ش ۲ صفحہ ۲)

قرآن کریم کا سب سے چھوٹا نسخہ

کویت ۱۴ ؍جون رمیا تھاؤم کے باشندے حسین نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کے پاس کلام پاک کا سب سے چھوٹا نسخہ ہے اس نسخے کی لمبائی ۲۰۲ سینٹی میٹر چوڑائی ۱۰۷ سینٹی میٹر اور موٹائی ۲۰۰ سینٹی میٹر ہے۔ دنیا کا یہ سب سے چھوٹا نسخہ ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مسٹر حسین کے پاس اس کلام پاک کے چھ نسخے تھے جن میں سے چار نسخے انہوں نے اپنے قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کو ہدیہ میں دے دیئے۔

مسٹر حسین یہ نسخے مسقط سے لائے تھے جہاں وہ بجلی کی دوکان چلاتے تھے چند مقامی صحافیوں نے قرآن کریم کے ان نادر نسخوں کو دیکھا ان کا خیال ہے کہ یہ دنیا کے سب سے چھوٹے نسخے ہیں۔

(روزنامہ آواز ملک وارانسی ۱۵ ؍جون ۱۹۹۳ء صفحہ ۵)

تعلیم پر نو ممالک کی چوٹی کانفرنس

نئی دہلی ۱۴ ؍جون انسانی وسائل کے فروغ کے مرکزی وزیر مسٹر ارجن سنگھ نے کہا ہے کہ تعلیم کے موضوع پر نو ملکوں کی چوٹی کانفرنس کیلئے ۱۳ ؍دسمبر کی تاریخ مقرر کی گئی ہے جسمیں رد و بدل کا فی الحال امکان ہے۔ مسٹر ارجن سنگھ نے کہا کہ مجوزہ چوٹی کانفرنس کی تیاری کے لئے ان کی وزارت نے ایک ورکنگ گروپ قائم کیا ہے جس کا پہلا اجلاس جولائی میں ہوگا۔

چوٹی کانفرنس میں شرکت کرنے والے نو ملکوں میں ہندوستان، چین، مصر، میکسیکو، برازیل، انڈونیشیا، نائجیریا، بنگلہ دیش اور پاکستان ہیں۔

انہوں نے کہا اس چوٹی کانفرنس کا بڑا مقصد یہ ہے کہ شرکت کرنے والے ملکوں نے پرائمری تعلیم کے میدان میں جو کوششیں کی ہیں انہیں اجاگر کیا جائے۔

(روزنامہ آواز ملک وارانسی ۱۵ ؍جون ۱۹۹۳ء صفحہ ۵)

قوانین اسلامی کی تدوین کا کام آخری مرحلہ میں خانقاہ رحمانی میں علماء کرام اور مفتیان عظام کی مجلس

مونگیر۔ مسلم پرسنل لاء سے متعلق اسلامی قوانین کا ایسا قابل اعتماد مجموعہ جس میں موجودہ زمانے کے حالات اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم پرسنل لاء کو دفعہ وار مرتب کر دیا گیا ہے اور جو عدالتوں کے لئے بھی بنیادی ماخذ کا کام دے سکے۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ نے چند سال پہلے اس کی ترتیب و تدوین کا فیصلہ کیا تھا اور حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی نور اللہ مرقدہٗ نے یہ کام اپنی نگرانی میں شروع فرمایا تھا۔ ملک کے نامور علماء کرام اور مفتیان عظام کی متعدد مجلسیں خانقاہ رحمانی میں منعقد ہوتی رہیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قانون اسلامی کی ترتیب کا کام مکمل فرما دیا۔ حضرت علیہ الرحمۃ کی وفات سے اس کام کی پیش رفت رک گئی۔ اب مسلم پرسنل لاء بورڈ کے فیصلے کے مطابق مولانا سید محمد ولی رحمانی سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر و سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی نگرانی میں اس اہم اور تاریخی کام کی ابتداء ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں علماء کرام و مفتیان عظام نے پورے ایک ہفتہ تک قوانین اسلامی کے (۴۸۰) دفعات اور اس کے حوالجات پر آخری طور سے گہری نگاہ ڈالی۔ اس مجلس میں حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا برہان الدین صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ، حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر، حضرت مولانا مفتی نعمت اللہ صاحب، حضرت مولانا صغیر احمد صاحب استاذ جامعہ رحمانی مونگیر، جناب مولانا نیاز احمد صاحب رحمانی استاذ جامعہ رحمانی، اور مولانا محمد نصر اللہ صاحب مفتی امارت شرعیہ نے شرکت فرمائی۔ اس کے علاوہ جنرل سکریٹری بورڈ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے بھی بطور خاص اسکی متعدد نشستوں میں شرکت فرمائی۔ جامعہ رحمانی کے کئی اساتذہ بھی شرکت فرماتے رہے۔ یہ بھی طے ہوا کہ دوسری مجلس جلد ہی منعقد ہوگی۔

(ہفتہ وار نقیب پھلواری شریف پٹنہ ۳۱ مئی ۱۹۹۳ء)

اسلامی خطاطی کا سب سے بڑا گمشدہ ذخیرہ

ترکی سے شائع شدہ کتاب "فن الخط" کے مطابق حرم میں موجود قرآنی آیات کی خطاطی

بقیہ صفحہ ۳۶ پر

جامعہ کے لیل و نہار

محمد اسمٰعیل فلاحی

تعطیل عیدالاضحیٰ عیدالاضحیٰ کی تعطیل کے بعد پہلی بار جامعہ بروز ہفتہ ۱۳ر ذی الحجہ کو ایام تشریق کے آخری دن کھل گئی جبکہ یہاں کی روایت اور دستور جامعہ کے مطابق اسے ۱۶ر ذی الحجہ کو کھلنا چاہئے تھا۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ریزرویشن وغیرہ کرانے کیلئے تعطیل کا اعلان بہت پہلے سے کرنا ہوتا ہے۔ کیلنڈر کی بنیاد پر یہ اعلان کیا جا چکا تھا بعد میں کیلنڈر کی تاریخیں غلط ہو گئیں۔

الفلاح طبع ہو گیا جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح کا سالانہ میگزین ۹۳-۱۹۹۲ء زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ ادھر کئی سالوں سے وسائل کی کمی کی بنا پر طبع نہیں ہو سکا تھا۔ وسائل کی فراہمی کے بعد جمعیت کے ۹۴-۱۹۹۳ء انتخاب کے دوران یہ شمارہ انتہائی عجلت کیا تو پچھلے ذمہ داروں نے نکالا ہے۔ جس پر وہ اور خصوصاً اسکے ایڈیٹر عزیزی صداقت حسین عرفی عظیم مبارکباد کے مستحق ہیں۔

شعبہ ثانوی کلیۃ البنات کی عمارت میں منتقل پچھلے سال کلیۃ البنات کی نئی عمارت کا افتتاح ہوا تھا اور صرف عربی کا شعبہ وہاں منتقل ہو سکا تھا۔ اس سال شعبہ ثانوی بھی وہاں منتقل ہو گیا۔ پرانی عمارت جو درسگاہ کا بھی کام دیتی تھی اور رہائش گاہ کا بھی اور دیگر سہولتوں سے بھی محروم تھی۔ ضرورت ہے کہ وہاں سے جلد از جلد تمام شعبے نئی عمارت میں منتقل ہو جائیں۔

اطہر احسن مستقیمی فلاحی کو صدمہ ۲۲ر مئی کی شام پانچ بجے برادر عزیز اطہر احسن مستقیمی فلاحی صاحب کی والدہ محترمہ انتقال فرما گئیں (اناللہ) وہ چار پانچ سال سے بیمار تھیں۔ ادھر طبیعت کچھ زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ مرحومہ جناب احسن مستقیمی صاحب ناظم علاقہ جماعت اسلامی ہند میرٹھ کی اہلیہ تھیں۔ انکے بڑے لڑکے اختر مستقیمی جامعہ میں ایک سال راقم کے کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور اولاد کو انکے حق میں صدقہ جاریہ بنائے۔

روداد انجمن

محمد اسماعیل فلاحی

مرکز ۱۵ر مئی ۹۳-۱۹۹۲ء کو راقم کی تدبیر کے ساتھ جامعہ میں فلاحی برادران کی نشست کا آغاز ہوا۔ جس میں یہ مشورہ بھی آیا کہ حیات نو کے اخراجات انجمن کا مستقل خرچ ہیں اور کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہیں اس لئے ہر فلاحی اس مد میں ماہانہ کچھ نہ کچھ اعانت کرے۔ حیات نو کے مجوزہ کالموں کے لئے اصحاب قلم بالخصوص فلاحیوں سے قلمی تعاون کی خواہش بھی کی گئی حیات نو کے ضمن میں اس کی توسیع و اشاعت کے مشوروں کے علاوہ یہ بات بھی آئی کہ اس کا اگر کوئی خصوصی نمبر نکلے تو پہلے سے اس کا اعلان آنا چاہئے۔

صدر انجمن نے اس موقع پر مشورہ دیا کہ کوئی مسئلہ پیدا ہو یا کوئی ضرورت داعی ہو تو فلاحی برادران ضابطہ کی ماہانہ نشست کا انتظار نہ کریں بلکہ ضرورت پڑنے پر مل بیٹھا کریں تاکہ تبادلہ خیالات اور مشورے ہوں۔ صدر انجمن نے یہ بھی کہا کہ فلاحی حضرات جس شعبہ سے بھی متعلق ہوں انہیں چاہئے کہ صرف رسمی انداز میں باضابطہ کے طور پر وہ اس سے متعلق نہ ہوں بلکہ انکی کارکردگی نمایاں ہو۔ نیز یہ کہ وہ اپنا مطالعہ بڑھانے کی کوشش کریں اور کچھ لکھنے کی عادت ڈالیں۔

دہلی یونٹ انجمن طلبہ قدیم دہلی یونٹ کی ماہانہ نشست ۱۸ر اپریل ۱۹۹۳ء بروز اتوار جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جامع مسجد میں زیر صدارت ارشاد احمد فلاحی منعقد ہوئی۔ جسمیں برادر مشیر حسین سنبھلی فلاحی مقامی یونٹ کے ناظم اور برادر [illegible] ان کے معاون منتخب ہوئے۔ نیز طے پایا کہ فلاحی برادران [illegible] درج ذیل افراد سے رابطہ قائم کریں گے۔

(الف) جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ محمد شمس نوید خان فلاحی، ایس۔ آر۔ کے ہاسٹل کمرہ نمبر ۱۱۲

فدا یار ملک فلاحی گیلانی ہاؤس کمرہ نمبر ۱۳

۔ اس کے پہلے کی نشست میں صدر اور سکریٹری کا انتخاب عمل میں آچکا تھا جسکی تفصیل پچھلے شمارہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۳۱ پر

حلقۂ یاراں

محمد شرف الدین ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ
انڈسٹریل اینڈ پروڈکشن انجینئرنگ
ملناڈ کالج آف انجینئرنگ، ہاسن

برادر محترم!   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل حیات نو کا پہلا شمارہ موصول ہوا۔ میں نے تو ابھی پڑھا نہیں ہے، لیکن اہلیہ؎ حفنی ناز نے کل ہی ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا۔ پسند کیا، خوش ہوئیں۔ اداریہ کے تعلق سے لکھنے کے لئے کہا ہے کہ کافی اچھا ہے مگر طویل ہوگیا ہے۔

عادت کی بات ہے اداریے طویل نہیں ہوتے۔ یہاں موسم بہت گرم ہے۔ وہاں تو اور زیادہ گرمی ہوگی

خاکسار

محمد شرف الدین، ہاسن

ابن حبیب فلاحی

عالی مقام ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اپریل، مئی ۹۶ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ عصری علوم سے صرف نظر مناسب نہیں اور نہ یہ سود مند ہے کہ جدید علوم کے پیچھے اپنے اصل سرمایہ سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

حیرت کی بات ہے کہ دینی مدارس میں بالکل عصری اداروں کی طرح عصری علوم داخل کرنے کی بات لوگ کرتے ہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اور دیگر اداروں میں قرآن و حدیث کے گھنٹے رکھے جائیں۔

والسلام
ابن حبیب فلاحی

؎ شرف الدین صاحب کی اہلیہ ویمنس کالج ہاسن کرناٹک کی استاد

ایک اہم اپیل

جامعۃ الفلاح جیسے وسیع المقاصد اور کثیر الاقسام ادارے کیلئے ایک بھی گاڑی کی ضرورت اظہر من الشمس ہے لیکن بدقسمتی سے ابھی تک یہاں کوئی ایک چھوٹی گاڑی بھی نہیں تھی جس کا احساس خود جامعہ کو اور اس کے ہمدردوں کو شدت سے رہا ہے اور یہ احساس کسی مہمان کی آمد، کسی طالب علم یا طلبہ کی اچانک بیماری نیز اطراف و جوانب سے فوری و ترجیحی ربط کے موقع پر شدید تر ہو جاتا ہے۔

چنانچہ انجمن نے ایک جیپ کی فراہمی کا فیصلہ کیا کہ انجمن کے کام آئے اور اس سے دیگر مقاصد حاصل کئے جائیں۔ پہلے ارادہ ایک سیکنڈ ہینڈ جیپ کی خریداری کا تھا لیکن انجمن کے مخلصین اور ہمدردان نے نئی خریدنے کا مشورہ دیا اور اس خیال کی حوصلہ افزائی کی۔ بعض … نے اس مہم میں دل کھول کر حصہ لیا اور دوسرے بعض رفقاء نے وقت آنے پر خصوصی تعاون کا وعدہ کیا۔

خدا کا شکر ہے کہ جیپ کے مجوزہ بجٹ کا نصف حاصل کیا جا چکا ہے۔ بقیہ کیلئے کوشش جاری ہے۔ انجمن کے تمام ہمدردان سے اور خصوصاً تمام فلاحی برادران سے پرزور اپیل ہے کہ اس فنڈ کی فراہمی میں ضرور حصہ لیں چاہے اس کا حصہ بظاہر معمولی ہی کیوں نہ محسوس ہوتا ہو … ضرور ہو کر قطرہ قطرہ سے ہی تالاب بھرتا ہے۔

جیپ کا ایک مہذب ماڈل پسند کر لیا گیا ہے، بس فنڈ کی تکمیل کا انتظار ہے اسلئے آپ … اپنے قریبی رفقاء اور ہمدردوں کا تعاون مندرجہ ذیل پتہ پر جلد بھیجیں۔

ڈرافٹ پر "انجمن طلبہ قدیم، U.B.I. A/C NO. 6804 … برانچ" لکھنا نہ بھولیں۔

منی آرڈر پر صراحت ضرور کریں کہ یہ رقم جیپ فنڈ کی ہے۔

پتہ: معتمد انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی)

والسلام
آپ کا

(صدر انجمن)